ستمبر ۱۹۹۱ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

نجات کی راہ ۔ سورۃ العصر کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک فکر انگیز تحریر

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

Adarts-HTP 3/85

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (المائدۃ)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۰
شمارہ: ۹
ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ
ستمبر ۱۹۹۱ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، افغان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

عرضِ احوال ———— ۳
———— عاکف سعید

تذکرہ و تبصرہ ———— ۵
دفاعِ پاکستان کے تقاضے
امیر تنظیم اسلامی کا خطابِ جمعہ

نجات کی راہ ———— ۹
سورۃ العصر کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک فکر انگیز تحریر

الہدیٰ (قسط ۷۵) ———— ۳۳
انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج ـ سورۃ الجمعہ کی روشنی میں (۲)
———— ڈاکٹر اسرار احمد

رُودادِ سفر ———— ۴۷
امیر تنظیمِ اسلامی کے دورۂ سنگاپور و ملائشیا کی رپورٹ
———— مرتّب : ڈاکٹر عبد الخالق

افکار و آرار ———— ۵۵
∴ مدیر نوائے وقت کے نام
∴ "ایک خوش آئند تبدیلی" ـ ہفت روزہ 'فروغ' سے ماخوذ
∴ "امیر تنظیم اسلامی کا نعرۂ قلندری" ـ ماہنامہ امارتِ شرعیہ کا اداریہ

رفتارِ کار ———— ۶۲
∴ امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ کوئٹہ اور صوبہ بلوچستان کا علاقائی اجتماع
∴ حلقۂ پنجاب میں دو روزہ دعوتی و تنظیمی پروگراموں کا انعقاد
∴ ہفت روزہ ملتزم تربیت گاہ کا انعقاد

خطوط و نکات ———— ۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

زیر نظر شمارے کی اشاعت میں معمول سے قدرے تاخیر ہوئی ہے جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ تاہم اس شر میں سے ایک خیر یہ برآمد ہوا ہے کہ اس تاخیر کے باعث ہمارے لئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ۶ر ستمبر کے خطابِ جمعہ کا خاصا مفصّل پریس ریلیز پرچے میں شامل کرنا ممکن ہو سکا ہے۔ یہ خطاب دو اعتبارات سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ ایک یہ کہ اس میں ۶ر ستمبر کی مناسبت سے دفاعِ پاکستان کے حقیقی تقاضوں پر کھل کر گفتگو ہوئی اور اس موقع پر امیر تنظیم اسلامی نے ملک و ملت کو درپیش موجود الوقت سنگین صورت حال کے پیش نظر بلا تاخیر چین کے ساتھ دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی جسے نہ صرف یہ کہ ملکی اخبارات نے خصوصی اہمیت کے ساتھ نمایاں انداز میں شائع کیا بلکہ ہماری اطلاعات کی حد تک ملک کے تمام سنجیدہ اور باشعور طبقات کی جانب سے اس تجویز کا خیرمقدم کیا گیا اور اسے ایک بروقت اور صائب تجویز قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس خطاب میں امیر تنظیم اسلامی نے پہلی بار نظامِ خلافت کے مقتضیات، مضمرات اور ثمرات کو دو ٹوک انداز میں چند معیّن تجاویز کی صورت میں سامنے رکھا اور واضح کیا کہ نظامِ خلافت سے ہماری مراد کیا ہے اور یہ کہ قیام خلافت کے نتیجے میں ملک کے نظام اور دستور میں وہ کون کون سی نمایاں تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ جن کی عدم موجودگی میں ملک کے نظام کو نظام خلافت قرار دینا غلط ہوگا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ خطاب 'ندا' کی آئندہ اشاعت میں مکمل صورت میں شائع کر دیا جائے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

☆ ☆ ☆

ماہ اگست کے اواخر میں امیر تنظیم اسلامی نے ملائشیا اور سنگاپور کا دعوتی دورہ کیا۔ اس سفر میں جو ایک ہفتے پر محیط تھا تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق امیر تنظیم کے ہمرکاب تھے۔ دورے کا پروگرام رفیق تنظیم اسلامی جناب نعیم غفور شیخ صاحب نے ترتیب دیا تھا جو کچھ عرصے سے ملائشیا میں مقیم تھے اور اب پاکستان مراجعت کے لئے پابہ رکاب تھے۔ محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی تحریر کردہ اس دورے کی ایک مفصل

رپورٹ شاملِ اشاعت ہے ــــــ اسی طرح ۱۴ تا ۱۶ر اگست کوئٹہ میں منعقد ہونے والے سہ روزہ علاقائی اجتماع کی ایک جامع رپورٹ بھی زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے۔

☆ ☆ ☆

ایک وضاحت

مئی کے میثاق میں "ترے قرآن کو سینوں میں بسایا ہم نے" کے زیرِ عنوان محترم رحیم کاشفی کی مرتب کردہ دورۂ ترجمۂ قرآن' کراچی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ میں ایک واقعاتی غلطی ایسی رہ گئی تھی جس کی وضاحت ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ دورانِ ماہ رمضان امیر محترم کی رہائش کا بندوبست کراچی کے ڈیفنس ایریا میں واقع قرآن اکیڈمی سے قریب ایک فلیٹ نما مکان میں کیا گیا تھا' جہاں وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے علاوہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی سمیت مقیم رہے۔ اس مکان کے بارے میں مذکورہ رپورٹ میں سہواً یہ بات درج تھی کہ یہ کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ جبکہ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ پُر آسائش مکان کرائے پر دستیاب نہیں ہوا تھا بلکہ صاحب مکان مسٹر اے جے خان نے' جو پی آئی سے منسلک ہیں' کمال محبت سے پورے دورہ ترجمہ قرآن کے دوران یہ مکان امیر تنظیم اسلامی اور ان کے اہل خانہ کے لئے وقف کئے رکھا۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے ان شرکاء کے لئے جو قرآن اکیڈمی ہی میں مقیم تھے' کھانا بھی اسی مکان کے کچن میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس حد درجہ تعاون پر مسٹر اے جے خان تمام رفقاء تنظیم کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ○○

قرآن کالج میں

بی اے سال اضافی اور دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس میں

نئے داخلوں کا شیڈول

☆ داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ' — جمعرات ۲۶ر ستمبر ۹۱ء

☆ انٹرویو

(i) برائے بی اے سال اضافی — ہفتہ ۲۸ر ستمبر

(ii) برائے ایک سالہ کورس — اتوار ۲۹ر ستمبر

☆ تعلیم کا آغاز — منگل یکم اکتوبر

(نوٹ : مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کریں)

قرآن کالج' ۱۹۱۔ اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

دفاعِ پاکستان کے حقیقی تقاضے

اور نظامِ خلافت کے مقتضیات و مضمرات

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۶ ستمبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۶ ستمبر ۹۱ء - مسجد دارالسلام' باغ جناح میں نماز جمعہ سے قبل "دفاع وطن کے حقیقی تقاضوں" کے ضمن میں خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان کی سرزمین ہمارے لئے مسجد کی طرح مقدس و محترم ہے اور اس کی حفاظت اور دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا ہمارے ذمے ہے۔ تاہم اس ضمن میں یہ بات اصولی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے ایمان کی رُو سے اصل دفاع کرنے والی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اگر اللہ کی نصرت و حمایت ہماری پشت پر ہوگی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اللہ سے بغاوت اور سرکشی پر مبنی اپنے موجودہ رویّے کو ترک کریں اور اولین قدم کے طور پر سودی نظام معیشت کی صورت میں جاری اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ کو بند کرنے کا اعلان کریں جس کو بدقسمتی سے اب نام نہاد شریعت ایکٹ کے ذریعے برقرار رکھنے کا سرکاری سطح پر فیصلہ ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے زور دے کر کہا کہ نصرتِ خداوندی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ اپنے معاملے کو درست کریں اور اس کے دین کے سچے خادم بن جائیں' دفاعِ وطن کی حقیقی ضمانت اسی میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں تدبیری نوعیت کے کچھ قدم بھی اٹھانے ہوں گے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمیں بلا تاخیر اپنے ہمسائے اور دوست ملک چین کے ساتھ دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنا چاہئے' جس کے ساتھ ہمارا زمینی رابطہ شاہراہ ریشم کی صورت میں ہمارے لئے خدائی عطیے سے کم نہیں۔

انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس وقت مغربی دنیا اور امریکہ عالمی صیہونیت کے شکنجے میں آ چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے چین ابھی تک یہود کی دسترس سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چین اب تک امریکی دباؤ کے آگے ڈٹا ہوا ہے۔ اس صورت حال کو غنیمت جانتے ہوئے ہمیں چین سے

دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنے میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

امیر تنظیم اسلامی نے اپنی اس رائے کو ایک بار پھر زور دے کر بیان کیا جس کا ذکر وہ اپنے سابقہ خطابات میں بھی متعدد بار کر چکے ہیں کہ پاک بھارت ممکنہ جنگ کو ٹالنے کی جس کے بادل برصغیر کی فضا پر منڈلا رہے ہیں، ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ جنگ کی صورت میں پاکستان اور بھارت دونوں کی تباہی ہوگی اور اس سے فائدہ امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" کو پہنچے گا جو درحقیقت صیہونیت کا آلہ کار ہے۔ جنگی فضا کے تناؤ کو کم کرنے کے لئے دونوں ممالک کی سطح پر اہل علم اور دانشوروں کے وفود کا تبادلہ ہونا چاہئے اور اس معاملے میں پاکستان کو پہل کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ اگر جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی تو پھر ہمیں کسی صورت پیچھے نہیں ہٹنا۔ ہمیں ہر قیمت پر اپنے ملک کا دفاع کرنا ہے لہٰذا ہمیں اپنی جنگی تیاریاں بھرپور طریقے سے جاری رکھنی چاہئیں اور اپنے دفاعی منصوبوں کو مکمل رازداری کے ساتھ برابر ترقی دیتے رہنا چاہئے۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ جنگی اسلحہ تیار کرنے کے قابل ہو سکیں۔ آج کی کارگر حربی قوت ایٹمی اسلحہ ہے جو دشمن کے ناپاک عزائم کے آگے بند باندھ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے کی طرح اب بھی ہمیں مکمل اخفاء کے ساتھ اپنی ایٹمی صلاحیت کو مزید ترقی دے کر ایسے مقام پر لانا ہوگا کہ ہمارا دشمن حملہ کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا بے نظیر بھٹو نے ایک اخباری بیان میں پاکستان کی جوہری صلاحیت کے متعلق حال ہی میں جو انتہائی غیر ذمہ دارانہ بیان دیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محترمہ کے اوسان خطا ہو چکے ہیں اور انہوں نے امریکہ کے ہاتھ میں پاکستان کے خلاف ایٹمی استعداد کے حوالے سے نہایت مضبوط دلیل تھما دی ہے۔ انہوں نے کہا بے نظیر بھٹو کا یہ "انکشافی بیان" درحقیقت ملک و قوم سے غداری کے مترادف ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر نے پاکستان کے ایٹمی راز اگل کر اپنی سیاسی زندگی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے، تاہم اس معاملے میں محض بے نظیر ہی قصوروار نہیں ہے بلکہ ہماری موجودہ حکومت اور بالخصوص سندھ کے وزیر اعلیٰ جام صادق کا پیپلز پارٹی کے ساتھ انتہائی مخاصمانہ رویہ بے نظیر کو حواس باختہ کرنے کا باعث بنا ہے، بہرکیف قومی اعتبار سے بے نظیر کا جرم ناقابل معافی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ تنظیم اسلامی کی جدوجہد کا ہدف نظام خلافت کا قیام ہے جو موجودہ گلے سڑے نظام میں محض جزوی طور پر بعض تبدیلیاں کر دینے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ جمہوریت کے بارے میں ان کی ایک سابقہ تقریر سے غلط طور پر

سمجھ لیا گیا ہے کہ موجودہ نظام پر جمہوریت کی بجائے خلافت کا لیبل چسپاں کر دینے سے قوم کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اگر میری تقریر سے یہ بات سمجھی گئی ہے تو میں اس سے اعلان برات کرتا ہوں۔ خلافت کا نظام درحقیقت اسلامی انقلاب کے بعد ہی قائم ہوگا۔ خلافت کا لازمی مفہوم ہے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی بلا استثناء حکمرانی اور بالادستی۔ اسلامی ریاست میں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی اور کوئی فرد یا ادارہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی حکمرانی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ نظام خلافت کے قیام کے بعد اسلامی ریاست کے جملہ معاملات منتخب افراد اور سیاسی اداروں ہی کے ذریعے چلائے جائیں گے۔

امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ اگرچہ پارلیمانی اور صدارتی دونوں طرز ہائے حکومت کی اسلام میں گنجائش موجود ہے تاہم صدارتی نظام خلافت راشدہ کے نظام سے قریب تر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں بھی پارلیمانی کی بجائے صدارتی نظام زیادہ مفید اور موثر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریز کی دی ہوئی ہر چیز کو ہم نے مقدس گائے سمجھ لیا ہے اور اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کے لئے سوچنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمانی طرز حکومت میں صدر اور وزیر اعظم کے درمیان طاقت کا توازن ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے۔ پارلیمانی نظام میں کبھی تو صدر کو اس درجے بے اختیار بنا دیا جاتا ہے کہ وہ "چوہدری فضل الٰہی" بن کر رہ جاتا ہے اور لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ "صدر کو رہا کرو" اور کبھی وہ غلام اسحٰق خان کی طرح طاقتور اور مقتدر بن جاتا ہے کہ جب چاہے وزیر اعظم کی گردن مروڑ دے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے ملک کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر غیر جانبدارانہ انداز میں سنجیدگی سے غور کریں کہ ہمیں پارلیمانی سیاست کے گند سے نجات حاصل کر کے صدارتی طرز کو اپنانا چاہئے کہ نظام خلافت سے بھی یہی زیادہ ہم آہنگ ہے۔

صوبوں کی موجودہ تقسیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ اسے بھی بلاوجہ مقدس گائے کا درجہ دے دیا گیا ہے جس کے باعث بے شمار پیچیدگیاں جنم لے رہی ہیں۔ ہمیں اپنی انتظامی ضرورتوں اور قومی مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے صوبوں کی ازسرنو تعیین کرنی چاہئے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اوسطاً ایک کروڑ افراد پر مشتمل ایک صوبہ تشکیل دیں اور صوبوں کی تعداد میں اضافے کو اپنے لئے ہوا نہ بنا لیں۔

نظام خلافت کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ خلافت مسلمانوں کی ہوتی ہے، غیر مسلموں کی نہیں، لہٰذا اسلامی ریاست میں غیر مسلم قانون سازی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ تاہم غیر مسلم اقلیتوں کی مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کا

تحفظ اور ان کی کفالت کا اہتمام کرنا اسلامی ریاست کے ذمے ہوگا۔ نظام خلافت کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہر شہری کی بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور اس کا جامع عنوان ہے "کفالت عامہ" جو زکوۃ کے نظام کو صحیح شکل میں نافذ کر کے بہ احسن وجوہ پوری کی جا سکتی ہے۔ زکوۃ کا نفاذ بینک ڈیپازٹ کی بجائے کل اموال تجارت پر ہوگا جو معاشی برکات کا پیش خیمہ ہوگا۔ اسلامی ریاست میں سود کی ہر صورت ناقابل قبول ہوگی۔ کاروبار کی وہ صورتیں بھی جن میں سود کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے، ناجائز قرار پائیں گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان کی زمینوں کے بارے میں دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ یہ اراضی کسی جاگیردار، زمیندار اور وڈیرے کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں بلکہ فقہ حنفی کی رو سے قریباً تمام اراضی خراجی ہیں اور اس اعتبار سے پوری قوم کی ملکیت ہیں، جن سے خراج کی صورت میں کثیر آمدنی حاصل ہوگی، جس سے دفاعی اور انتظامی اخراجات بہ احسن وجوہ پورے ہو سکیں گے اور یہی وہ راستہ ہے جس سے ٹیکسوں کے موجودہ غیر متوازن اور ظالمانہ نظام سے گلوخلاصی حاصل کی جا سکے گی۔

بقیہ: روداد سفر

سے روانگی ساڑھے بارہ بجے تھی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب جناب صفدر صاحب اور محمود صاحب امیرِ محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ کچھ وقت تیاری میں گزرا اور پروگرام کے مطابق ساڑھے بارہ بجے ہم گھر سے روانہ ہوگئے۔ ۳ بجے کے قریب ہم سنگاپور کے ہوائی اڈے پر تھے۔ اے۔ جے خان صاحب حسبِ پروگرام ہماری رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ دوپہر ہم ان کی میزبانی سے لطف اندوز ہوئے۔ سنگاپور ایئرپورٹ پر صرف دو ہی ریسٹورنٹ ایسے تھے جہاں "حلال" کھانا میسر تھا، جسے اے۔ جے خان صاحب بھی جانتے تھے۔ اسی اثناء میں جناب اسلم علوی صاحب اور جناب شاہین نیازی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ جہاز کی روانگی چھ بجے تھی۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جناب اے جے خان صاحب نے اکثر وقت ہمارے ساتھ گزارا اور حتی الوسع ہماری مدد کی اور آرام کا خیال رکھا۔ جہاز پورے وقت پر روانہ ہوگیا۔ بنکاک میں رکتے ہوئے (جہاں اس بار ہمیں لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی اور وہاں ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کیں) پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے ہمارا جہاز لاہور ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا۔ پاکستان میں پھر وہی شب و روز اور پھر ویسی ہی مصروفیات ہماری منتظر تھیں۔ ○○

نجات کی راہ

سورۃ العصر کی روشنی میں

○

امیر تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ۲۵ برس پرانی ایک فکر انگیز تحریر

جو

اولاً نومبر ۶۶ء کے 'میثاق' میں 'تذکرہ و تبصرہ' کے زیرِ عنوان طبع ہوئی تھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

سورۃ العصر قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے اور خوش قسمتی سے اس میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب کے سب اُردو میں عام طور پر مستعمل ہیں اور ایک عام اُردو دان بھی ان سے بہت حد تک مانوس ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ کا سرسری مفہوم تقریباً ہر شخص فوراً جان لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی دِقت محسوس نہیں کرتا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے اور اس کے مضامین کی گہرائیوں کا بدقتِ نظر مشاہدہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ "سہل ممتنع" کی کیسی عظیم الشان مثال ہے اور اس کی ظاہری سادگی اور سلاست کے پردوں میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی خزانے پوشیدہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عقائد و ایمانیات کے بیان میں اختصار کی انتہا کے باوصف مفہوم کی وسعت اور معانی کے عمق کے اعتبار سے جو مقام سورۃ الاخلاص کا ہے، وہی مقام نجات اور فوز و فلاح کے عملی نہج اور طریقِ کار کے بیان میں اس سورۃ کو حاصل ہے۔

اسی بنا پر مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس کو "جوامع الکلم" میں شمار کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اگر لوگ تنہا اسی ایک سورۃ پر غور کریں تو یہ ان کے لیے

کافی ہو جائے!!

یہ سورۃ کل تین آیات پر مشتمل ہے اور اس کی دوسری آیت عددی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ مفہوم کے لحاظ سے بھی مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں یہ دردناک حقیقت بطورِ کلّیہ بیان ہوئی ہے کہ "انسان بالعموم اور بحیثیتِ مجموعی خسارے میں ہے"۔ پہلی آیت میں اس حقیقتِ کبریٰ کے دلائل و شواہد کو صرف ایک قسم میں سمو کر پیش کر دیا گیا ہے — جبکہ تیسری آیت اُس کلّیے سے ایک استثناء کو بیان کر رہی ہے۔ اس طرح یہ سورۃ واضح طور پر دو حصّوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ اس کا پہلا جز و یعنی " وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝" ایک دعویٰ اور اس کی دلیل پر مشتمل ہونے کی بنا پر انتہائی گہری علمی اہمیّت کا حامل ہے۔ جبکہ دوسرا جز و یعنی " اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝" عملی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔

اس حصّے میں ضمنی طور پر ایک کامیاب زندگی کے ناگزیر عملی لوازم کی تشریح ہو گئی ہے۔ اور اس طرح یہ حصّہ "صراطِ مستقیم" اور "سواء السّبیل" کی مختصر ترین لیکن جامع و مانع تفسیر بن گیا ہے۔

سطورِ ذیل میں اس سورۃ کی تفسیر لکھنا مقصود نہیں ہے، اس لیے بھی کہ راقم الحروف کا مقام یہ نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے نزدیک اس سورۃ کی تفسیر کا حق مولانا حمید الدّین فراہیؒ نے ادا کر دیا ہے۔

پیشِ نظر تحریر سے مقصود صرف یہ ہے کہ سورۃ کے بعض مجموعی تأثّرات اور خاص طور پر اس کے جزوِ ثانی کے بعض مضمرات کو واضح کیا جائے تاکہ دین کے تقاضوں کا ایک مجمل مگر جامع تصوّر سامنے آ جائے۔

(۲)

بحیثیتِ مجموعی اس سورة پر انذار کا رنگ غالب ہے۔ تبشیر کا پہلو بھی اگرچہ موجود ہے لیکن خفی اور ضمنی طور پر۔

اوّلاً اس کی ابتداء انتہائی چونکا دینے والی ہے۔ "وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o" کے الفاظ صرف اپنے مفہوم کے اعتبار ہی سے خوابِ غفلت سے بیدار کر دینے والے نہیں ہیں بلکہ ان کے انداز اور اسلوب حتیٰ کہ ان کے صوتی اثرات تک میں جھنجھوڑنے اور چونکانے کی صلاحیت موجود ہے۔

ثانیاً یہاں "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o" بطور ایک قاعدہ کلیہ کے بیان ہوا ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا . . . الآیہ میں ایک استثناء پیش کیا گیا ہے۔

گویا انسان کا خُسران ایک عالمگیر حقیقت ہے اور فلاح و کامیابی محض ایک استثنائی صُورت!

اگرچہ بعینہٖ یہی صورتِ حال سورۃ التین میں بھی پیش فرمائی گئی کہ "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" میں نوعِ انسانی کی مجموعی اور عمومی حالت بیان کی گئی اور "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں مستثنیٰ افراد کا تذکرہ کیا گیا۔ لیکن وہاں دو چیزوں نے انذار پر تبشیر اور بیم پر رجاء کے پہلو کو غالب کر دیا ہے۔ ایک "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" سے متصلاً قبل "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی یقین دہانی میں پوشیدہ تسلّی اور تشفی نے۔ اور دوسرے "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے فوراً بعد فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ" کی نوید جانفزا نے جو فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی مثبت ضمانت ہے۔ سورۃ العصر میں نہ صرف یہ کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی قسم کی کوئی تسلّی و تشفی (RE-ASSURANCE)

موجود نہیں ہے بلکہ "اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ" کے مثبت وعدے کی بجائے بات صرف خسران سے نجات کے تذکرے پر ختم ہوگئی ہے۔

سورۃ التین کے مقابلے میں سورۃ العصر پر انذار کے رنگ کے غلبے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کہ سورۃ التین میں گراوٹ سے استثنا کے تذکرے میں ایمان کے ساتھ اس کے لوازم میں سے صرف عمل صالح کے ذکر پر اکتفا فرمایا گیا ہے، وہاں سورۃ العصر میں خسران سے بچاؤ کو عمل صالح کے ساتھ ساتھ ایمان کے زیادہ کٹھن اور ثقیل لوازم یعنی تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سے بھی مشروط کر دیا گیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک قول سورۃ التین اور سورۃ العصر کے مضامین کے مابین ایک لطیف فرق کو واضح کرنے میں بہت ممد ہے۔ پہاڑی کے وعظ میں آنجنابؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

"تنگ دروازے سے داخل ہو، کیونکہ وہ دروازہ چوڑا ہے اور وہ راستہ کشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیوں کہ وہ دروازہ تنگ ہے اور راستہ سکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں۔" (۷: ۱۳، ۱۴)

اگرچہ سورۃ التین اور سورۃ العصر دونوں میں حضرت مسیحؑ کے بیان کردہ دونوں راستوں کا تذکرہ موجود ہے لیکن سورۃ العصر کی روشنی کا اصل ارتکاز اس چوڑی اور کشادہ شاہراہ پر ہے جس پر انسانوں کا ایک عظیم ہجوم، غول در غول، صرف بطن اور فرج کی پوجا کرتے ہوئے اور محض جبلی خواہشات کی بندگی کرتے ہوئے کچھ فرسودہ روایات کے سہارے اور زیادہ تر بھیڑ چال کے انداز میں رواں دواں ہے اور لحظہ بہ لحظہ ابدی خسران کے دردناک انجام سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس سورۃ التین کا نور بنیادی طور پر اس

دوسری راہ پر متکزن ہے جو اگرچہ تنگ ہے اور اس پر چلنے والے بہت کم ہیں لیکن بالآخر وہ فراخی اور ابدی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

> ایک حساس اور باشعور انسان جس کے اندر کا نور بیدار ہو چکا ہو، جب سورۃ العصر کی روشنی میں نوعِ انسانی کی عظیم اکثریت کی مایوس کن حالت اور ان کے انجام کی تلخی کا مشاہدہ کرے گا تو لازماً اس پر مایوسی اور ناامیدی طاری ہو گی اور عین ممکن ہے کہ وہ انسان کی فطرت اور سرشت ہی سے بدگمان ہو جائے۔ اس ذہنی و نفسیاتی تاریکی کے عالم میں سورۃ التین امید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن چند نفوسِ قدسیہ کی ایک جھلک اور انسانی فطرت و سرشت کی شرافت و کرامت کی شہادت سے یاس کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور انسان اپنے مستقبل کے بارے میں امید اور خود اپنے آپ پر ایک گونہ اعتماد محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہاں ایک اور دلچسپ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" کی عالمگیر حقیقت پر "وَالْعَصْرِ" کے ذریعے شہادت بھی آفاق گیر پیش فرمائی گئی اس لیے کہ جتنی جلی وہ حقیقت ہے اسی قدر روشن اس کی دلیل ہے، لیکن "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی خفی حقیقت پر شہادت میں بھی زیادہ سے زیادہ اُن چند

نفوسِ قدسیہ کو پیش کیا جا سکا جو کبھی "تین وزیتون" کے جھنڈوں تلے چلتے پھرتے دیکھے گئے یا "طورِ سینین" کی بلندیوں پر ربّ الارباب سے ہم کلام پائے گئے یا "البلد الامین" میں انسانی عظمت کی شہادت دیتے ہوئے نظر آئے۔ علیہم الصّلوٰۃُ والسّلامُ۔

(۳)

"وَالْعَصْرِ" کی چونکا دینے والی صدا ایک حسّاس اور باشعور انسان کے ذہن کو فوری طور پر اپنے قریبی ماحول میں گمشدگی اور ذاتی مسائل و معاملات میں سرگردانی کی حالت سے نکال کر زمان و مکان کی وسعتوں کی جانب متوجہ کر دیتی ہے۔ گویا "وَالْعَصْرِ" کا اوّلین مفاد یہ ہے کہ انسان "آفاق میں گم[1]" ہونے کی حالت سے نکل کر آفاق اور اس کی وسعتوں کا شعوری (SUBJECTIVE) مشاہدہ کرے ع

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی ذہنی پستی کا سب سے بڑا مظہر یہی ہے کہ وہ اپنے قریب ترین ماحول اور ذاتی حالات و واقعات میں اُلجھ کر رہ جائے۔ اس حال میں انسان کی کل کائنات بس ان ہی دو چیزوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

نہ وہ خود اپنی ہستی کی اندرونی و باطنی شہادتوں کی جانب متوجّہ ہوتا ہے اور نہ خارج کی وسیع تر آفاقی آیات کی طرف التفات کرتا ہے۔

اور رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل اُسے پہاڑ معلوم ہونے لگتے ہیں اور حقیر سی خواہشوں اور تمنّاؤں کے پیچھے وہ اپنے آپ کو ہلکان کر لیتا ہے۔

---

[1] کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (اقبالؔ)

اِس ذہنی و نفسیاتی حبس سے نکلنے کی دو راہیں قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہیں ایک "خود" اپنے من میں ڈوب کر حقیقت الحقائق تک رسائی کی راہ[1]، اور دوسرے آیاتِ آفاقی پر غور و فکر اور دھر و عصر کی اظہر من الشمس شہادتوں پر تدبّر و تفکّر کا راستہ۔

سورۃ العصر اسی مؤخر الذکر راستے کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

عصر کی جانب ادنیٰ تامّل و التفات سے فوری طور پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ زمانہ جو انسان کو اپنی غفلت میں ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے حقیقۃً بڑی تیزی اور انتہائی سُرعت سے گزرا چلا جا رہا ہے۔ اس کی ایک دو کروٹوں ہی کی دیر ہے کہ جو کچھ آج موجود ہے وہ معدوم ہو جائے گا اور[1] وقت کی بساط پر نئے کھلاڑی کھیل رچائیں گے۔ اس کی تیز روی اور برق رفتاری بہ بانگِ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اے غافل انسانو! تم، تمہارے مسائل اور تمہارے معاملات سب چشم زدن میں ختم ہو جانے والے ہیں۔ عمر کی مہلت تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور متاعِ عزیز بڑی سرعت سے برف کی مانند پگھلی جا رہی ہے اور کوئی دیر کی بات ہے کہ تم قصّۂ ماضی بن جاؤ گے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی!
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹا دی!

پھر یہی زمانہ، جسے فلکِ پیر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، انسان کا سب سے بڑا واعظ و ناصح بھی ہے۔ اس کی گردشوں میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کی شکل

---

[1] ع "جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اِک حرفِ محرمانہ" (اقبالؔ)

میں عبرت اور نصیحت و موعظت کے ضخیم دفاتر محفوظ ہیں۔ اس نے سینکڑوں قوموں کو ابھرتے... قوت پکڑتے اور پھر قعرِ مذلت میں گرتے دیکھا۔ ہزاروں حکومتیں اس کے سامنے بنیں اور بگڑیں۔ بیسیوں تہذیبیں وجود میں آئیں، عروج کو پہنچیں اور پھر گل سڑ کر متعفن غلاظت کا ڈھیر بن گئیں۔ ارب ہا ارب انسان پیدا ہوتے، پلے بڑھے اور مٹی میں مل گئے۔ کتنوں نے فتح و ظفر مندی کے کھیل کھیلے اور کتنوں نے سروری اور ظلِّ اللّٰہی کے سوانگ رچائے لیکن بالآخر سب زمانے کی وسعتوں میں گم ہو گئے اور قُس بن ساعدہ جیسے لوگ بھی یہ کہتے رہ گئے کہ۔

این الآباء والاجداد واین المریض والعوّاد واین الفراعنة والشدّاد واین من بنیٰ وشیّد وزخرف ونجّد وغرّہ المال والولد واین من بغیٰ وطغیٰ وجمع فاوعیٰ وقال انا ربّکم الاعلیٰ [1]۔

قرآن حکیم نے یہاں صرف "والعصر" کے ایک لفظ میں جن تاریخی حقائق کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ جب تفصیل سے بیان ہوئے تو علومِ قرآنی کی ایک مستقل صنف بن گئے، جسے شاہ ولی اللہؒ نے "تذکیر بایّام اللہ" کا نام دیا۔

(۴)

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" ایک ایسی دردناک مگر ناقابلِ انکار حقیقت کا بیان ہے جس کے ادنیٰ مظاہر اسی دنیا میں چاروں طرف پھیلے نظر آتے ہیں لیکن جس

---

[1] ترجمہ: کہاں ہیں آباؤ اجداد! کہاں ہیں مریض اور ان کے عیادت کرنے والے؟ کہاں ہیں فراعنہ اور شداد اور وہ لوگ جنہوں نے مضبوط عمارتیں بنوائیں، جنہوں نے آراستہ کیا اور سنوارا اور مال و اولاد کی محبت نے ان کو دھوکے میں رکھا۔ کہاں ہیں وہ جنہوں نے سرکشی کی اور اکڑے اور سمٹا اور کہا: انا ربّکم الاعلیٰ!

کی اصل تلخی موت کے بعد ظاہر ہونے والی ہے۔

غنیمت ہے کہ یہاں دِلِ دردمند اور قلبِ حسّاس
شاذ ہی کسی کو عطا ہوا، ورنہ ایک نہیں لاکھوں گوتم بُدھ
ان شدائد و مصائب کا مشاہدہ کر کے جن سے ابنائے
نوع ہر آن دوچار ہیں اپنے آرام و آسائش کو تج کر جنگل
میں جا دھونی رماتے۔

ذرا آنکھیں کھول کر گردوپیش کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض پر کروڑہا انسانوں کو دن بھر کی کمر توڑ دینے والی محنت و مشقت کے باوجود پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا، کتنے ہی ہیں جن کے سامنے ان کے عزیز و اقارب اور محبوب و محبّ دوا کے ایک گھونٹ کو ترستے دم توڑ دیتے ہیں۔ کتنوں کو تن ڈھانکنا نصیب نہیں ہوتا اور کتنوں کے پاس سر چھپانے کو جگہ موجود نہیں! کیسے کیسے صدمے یہ انسان برداشت کرتا ہے اور کیسے دکھ اس کی جان کے لاگو بنتے ہیں، کبھی اولاد کی محبّت اسے رُلاتی ہے تو کبھی مال کی تمنّا اسے تڑپاتی ہے۔ کبھی ناکام آرزوئیں اس کے گلے کا ہار ہو جاتی ہیں تو کبھی پامال شدہ جذبات اس کے لیے سوہانِ رُوح بن جاتے ہیں۔ اربابِ نعمت کی بظاہر چمکیلی اور بھڑکدار زندگی پر نہ جانا چاہیے۔ ان بے چاروں کے اپنے دُکھ ہیں۔ عوام کے دکھوں سے کہیں زیادہ اذیّت ناک اور تکلیف دہ! خوب سے خوب تر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر کی تلاش میں یہ دن رات مارے مارے پھرتے ہیں، اور اس دوڑ دھوپ میں جن مایوسیوں (FRUSTRATIONS) کا سامنا انہیں ہوتا ہے اور متضاد خواہشات کی رسّہ کشی سے جو اُلجھنیں (CONFLICTS) انہیں درپیش ہوتی ہیں، وہی جانتے ہیں کہ ان کی بدولت کیسے کیسے الاؤ ان کے سینوں میں گرم ہوتے ہیں اور کیسے دہکتے ہوئے انگارے ان

کے دل و جگر کو کباب کرتے ہیں، آرام و آسائش کے سارے سامان رکھتے ہوئے انہیں نہ دن کا چین نصیب ہوتا ہے نہ رات کی نیند۔ یہ سب کیا ہے" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ[1]" کی عملی تفسیر۔ خسرانِ انسانی کی ابتدائی منزل!! ۔اور انسانی المیے کا صرف پہلا مرحلہ!

اس مرحلے میں انسان کی حالت اکثر و بیشتر صرف اتنی ہی قابلِ رحم ہے جتنی کولہو کے کسی بیل یا بار برداری کے کسی جانور کی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بزعمِ خویش حیوانوں کے مقابلے میں انسان جسمانی تکلیف سے بڑھ کر نفسیاتی کرب اور روحانی اذیت کو بھی محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس کی ٹریجڈی کا اصل نقطۂ عروج (CLIMAX) وہ ہوگا جب یہ مشقتیں اٹھاتا، مصیبتیں جھیلتا، تکلیفیں برداشت کرتا اور صدمے سہتا اچانک اپنے پروردگار کے حضور میں محاسبے اور سوال و جواب کے لیے پیش کر دیا جائے گا: "یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ[2]" تب انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔! اس مرحلے کے تصور ہی سے نسلِ انسانی کے گل سر سبد کانپ کانپ جاتے ہیں اور حسرت سے پکار اٹھتے ہیں: کاش میں درختوں پر چہچہاتی چڑیا ہوتا یا سوکھی گھاس کا ایک تنکا!

اس وقت "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" ۵ کی اصل حقیقت منکشف ہوگی اور انسانوں کی عظیم اکثریت تاسف و حسرت کے ساتھ زبانِ حال سے پکارے گی کہ ع

مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۵

(۵)

"اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا

---

[1] ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو محنت اور مشقت میں پیدا کیا ہے۔" (سورۃ البلد: ۴)

[2] ترجمہ: "اے انسان! تو تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتا بالآخر اپنے ربّ سے جا ملے گا۔" (سورۃ الانشقاق: ۶)

بِالصَّبْرِ ۝ انسان کی کامیابی اور خسرانِ مبین سے نجات کی واحد راہ کا بیان ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ اس آیۂ کریمہ پر مقدور بھر غور و فکر کیا جائے اور اس کے مضمرات اور مقدّرات کو حتی الامکان پوری طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝" سے ناقابلِ انقطاع تعلق کی بنا پر اس آیت پر اوّلین تدبّر آیۂ ماسبق کے پس منظر ہی میں کیا جانا چاہیے۔ یہ دونوں آیتیں فوری طور پر جس حقیقت کو واضح کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ زندگی کی ہر وہ نہج جو ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سے خالی ہو خالص زیاں کاری ہے، چاہے بظاہر دنیا کے مروّجہ معیارات کے اعتبار سے کتنی ہی شاندار کامیابیوں کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہو۔ یہ آیات انسان کی کامیابی و ناکامی اور نفع و نقصان کا ایک بالکل نیا معیار پیش کرتی ہیں اور ان کے انسانی ذہن و شعور میں مرتسم ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ زندگی کی تمام اقدار بدل جائیں اور زندگی کی دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کے ماحصل کے بارے میں انسان کا نقطۂ نظر کاملۃً تبدیل ہو جائے۔

> حتّٰی کہ سیاسی قوّت ہو یا معاشرتی حیثیّت، مال و دولت کی فراوانی ہو یا وسائل و اسباب کی ارزانی، اُونچی اُونچی ملازمتیں ہوں یا مستحکم کاروبار، لمبی اور چمکیلی کاریں ہوں یا وسیع و خوشنما محلّات۔ یہ سب اگر ان چار چیزوں کے بغیر ہوں تو نہ صرف یہ کہ محض سراب نظر آئیں بلکہ عذاب کے مقدّمات معلوم ہوں!!

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی کامیابی اور ابدی خسران سے نجات کے لیے سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ اس کے نقطۂ نظر میں یہ انقلاب بالفعل واقع ہو جائے اور یہ حقیقت دل و

دماغ میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ ہر چیز کی ماہیت واقعۃً بدلی ہوئی نظر آئے۔ ع

دیدن دگر آموز، شنیدن دگر آموز!!

دوسری انتہائی اہم حقیقت جو ان دونوں آیات کے باہمی ربط و تعلّق سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ یہ چار چیزیں نجات کے ناگزیر لوازم اور فلاحِ انسانی کی کم از کم شرائط ہیں۔ اس لیے بھی کہ یہاں مقاماتِ بلند کا تذکرہ نہیں بلکہ خسارے اور نقصان سے نجات کی بات ہو رہی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں جس میں بہت کچھ کبھی محض "زیبِ داستاں کے لیے" اور کبھی صرف قافیے اور ردیف کی ضرورتوں کے تحت بڑھا لیا جاتا ہے، بلکہ کلامِ الٰہی ہے جس کا ایک ایک حرف اپنی جگہ علم و حکمت کا سرچشمہ اور حقائق و معارف کا گنجینہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہے حق ہے اور اس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ بیشی کا امکان! کامیابی کی ان چار لازمی شرائط میں سے کسی ایک کو بھی ساقط کر دیا جائے تو قرآن حکیم کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے آپ کو کلامِ الٰہی کی بشارتوں کا مستحق سمجھنا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔!

بدقسمتی سے ہمارے دورِ انحطاط میں یہ حقیقت نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گئی ہے۔ ہماری ایک عظیم اکثریت محض ایمان ——— اور اس کے بھی صرف قانونی پہلو پر ———

نجات کی صد فی صد امیدوار بنی بیٹھی ہے۔ جن کو ذرا زیادہ فہم و شعور عطا ہوا ہے وہ عملِ صالح کی قید لگا لیتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم کی بھی ایک بڑی تعداد تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر کو اعلیٰ درجات اور بلند مرتبے کی چیزیں سمجھ کر اضافی نیکیاں شمار کر بیٹھی ہے!!

کاش کہ لوگ سورۃ العصر پر تدبّر کریں۔ اور اس حقیقت کو جان لیں کہ قرآن حکیم انسانی نجات کو ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر چاروں سے مشروط قرار دے رہا ہے!!!

(۶)

ایک قدم آگے بڑھایئے اور توجّہ کو ان چاروں الفاظ پر مرکوز کر کے ان کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ چار مختلف چیزیں یا کسی ایک نسخے کے چار علیٰحدہ علیٰحدہ اجزا نہیں، بلکہ نجات کی راہ کے چار نشانات اور ایک ہی "صراطِ مستقیم" کے چار سنگہائے میل ہیں۔ یہ چاروں ایک جانب نجات کے لوازم ہیں اور دوسری جانب باہم دگر لازم و ملزوم!

ایمان، عملِ صالح کا پیش خیمہ ہے۔ عملِ صالح، تواصی بالحق کا مقدمہ اور تواصی بالحق، تواصی بالصّبر کا پیش رَو!
ایمان صحیح ہوگا تو عملِ صالح لازماً پیدا ہوگا۔ عملِ صالح لازماً تواصی بالحق کو جنم دے گا اور ـــــ تواصی بالحق لازماً تواصی بالصّبر پر منتج ہوگا۔!!

ایمان کے سیاسی اور عمرانی پہلوؤں اور اس مسئلے سے متعلّق فقہی و کلامی بحثوں سے قطع نظر ایمان کی اصل حقیقت اور ماہیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان نفسِ انسانی کی ایک خاص کیفیّت کا نام ہے جو کائنات کے بنیادی حقائق، یعنی توحید، معاد اور رسالت کے علم سے پیدا ہوتی ہے اور قلبِ انسانی پر اس طور سے مستولی ہو جاتی ہے کہ انسان کے جذبات، خواہشات اور ارادے باہم توافق اور ہم آہنگی کے ساتھ اس علم کے تابع ہو جاتے ہیں! اور فی الجملہ علم اور ارادے کے مابین دوئی ختم ہو کر یگانگت پیدا ہو جاتی ہے!

علمِ حقیقی کے ساتھ انسانی ارادے کی مکمّل یگانگت اور ہم آہنگی

ہی ایمان کی اصل ہے۔ اور اس سے پیدا شدہ سکون
اور اطمینان ایمان کا اصل ماحصل !!

رہی علم کی وہ حالت کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

تو جب تک یہ کیفیت برقرار رہے اور نفس انسانی تضادات (CONFLICTS) کی آماجگاہ بنا رہے، اس وقت تک ایمانِ حقیقی سے انسان محروم رہتا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے الفاظ میں :

"خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ایمان ایک نفسانی و روحانی حالت کا نام ہے جو انسان کے تمام عقائد و اعمال پر حاوی ہے ... اس کے دو رکن ہیں ایک علم اور دوسرا عمل، ان میں سے ایک کو بھی ڈھا دو گے اس کی پوری عمارت ڈھے جائے گی، ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور دین کے تمام اصول و فروع سے خوب واقف ہے لیکن نافرمانی اور گناہ پر برابر مصر ہے تو اس کے لیے اس ایمان میں سے کوئی حصہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے۔"[1]

ظاہر ہے کہ جب ایمان کی حقیقت یہ ہے تو عمل صالح تو خود اس کی ایک فرع ہے اور اس کا ایک لازمی نتیجہ! یہاں تک کہ عملِ صالح کے فقدان اور ایمان کے عدمی نتائج کے عدمِ ظہور سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان ہی میں خامی ہے اور صورتِ حال وہ ہے کہ "وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ" ورنہ ایمان و عملِ صالح کا تو ایسا

---

[1] ترجمہ: "یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے (اے نبی!) کہہ دو تم ایمان نہیں لائے؛ بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، رہا ایمان تو وہ تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔" (سورۃ الحجرات: ۱۴)

چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ان کا ایک دوسرے کے بغیر تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان دونوں کو ایک شمار کرنا خلافِ واقعہ نہیں ہے!

"عملِ صالح" کی قرآنی اصطلاح بھی بہت غور و فکر کی مستحق ہے، ایک طرف تو قرآنِ حکیم اس وسیع اصطلاح میں اپنی ساری قانونی و اخلاقی تعلیمات اور پوری شریعت کو سمیٹ لیتا ہے اور دوسری طرف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسی میں انسان کی حقیقی نشوونما اور ترقّی کا راز مضمر ہے اور اسی کے ذریعے انسان کی تمام فطری صلاحیتوں اور قوّتوں (POTENTIALITIES) کا صحیح رُخ پر ارتقا ممکن ہے، مولانا فراہی ؒ کے الفاظ میں:

> "اللہ تعالیٰ نے اعمالِ حسنہ کو "صٰلحٰت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اس لفظ کے استعمال سے اس عظیم حکمت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ درحقیقت انسان کی تمام ظاہری و باطنی، دینی و دنیاوی، شخصی و اجتماعی، جسمانی و عقلی صلاح و ترقی کا ذریعہ اعمالِ حسنہ ہی ہیں یعنی عملِ صالح وہ عمل ہوا جو انسان کے لیے زندگی اور نشوونما کا سبب بن سکے اور جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکے جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں . . . اس نکتے کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کائنات کی اس مجموعی مشین کا ایک پُرزہ ہے۔ اس وجہ سے اس کے اعمال میں سے صالح اعمال صرف وہی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی اس حکمتِ تدبیر کے موافق ہوں جو اس نے اس کلّی نظام کے لیے پسند فرمائی ہے!"

گویا ایمان نام ہے انسان کے خیالات و تصوّرات اور خواہشات و جذبات کے علمِ حقیقی کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کا اور عملِ صالح نام ہے اعمالِ انسانی کی اس مشیّتِ کُلّی کے ساتھ موافقت کا جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے اور یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید

ہمیشہ ایمان اور عملِ صالح کا تذکرہ ایک ساتھ کرتا ہے اور ایسے مقامات اوّل تو ہیں ہی بہت کم جہاں صرف ایمان کا ذکر کیا گیا ہو اور جہاں ایسا ہوا ہے وہاں بھی اکثر و بیشتر کوئی قرینہ ایسا ضرور موجود ہوتا ہے جس سے ایمان کے عملی تقاضوں کی جانب از خود اشارہ ہو جائے۔

مزید غور فرمائیے کہ انسان ایک متمدّن حیوان ہے اور کوئی چاہے یا نہ چاہے اپنے اردگرد کے ماحول سے اس کا فعل و انفعال اور تاثیر و تأثّر کا تعلّق بالفعل موجود ہے۔ اوّلاً خود اس کے اعمال اگر واقعی صالح ہوں تو ان کے صالح اثرات اس کے خارج پر لازماً مترتّب ہوں گے اور بالکل اس طرح جس طرح ایک دہکتے ہوئے انگارے سے گرمی خارج ہوتی ہے اور اپنے ماحول کو گرما دیتی ہے اور برف کی خنکی اپنے ماحول میں نفوذ کرتی ہے، انسانی اعمال کا صلاح و فساد ماحول کو متأثّر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ثانیاً ماحول میں اگر فساد موجود ہو تو لازماً ایک صالح انسان کو اس کے مفسد اثرات سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے مدافعت کرنی ہوگی . . . ان ہی دو چیزوں کی بنیاد پر ایمان اور عملِ صالح سے لازماً تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر پیدا ہوتے ہیں اور بالکل جیسے ایمان اور عملِ صالح کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسی طرح تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر بھی باہم دگر لازم و ملزوم ہیں۔

مولانا فراہیؒ عملِ صالح سے تواصی کے تعلّق کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

> "اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ایمان سے عملِ صالح پیدا ہوا اسی طرح عملِ صالح سے تواصی وجود میں آیا کیونکہ جس شخص کی نگاہوں میں حق محبوب ہو جائے گا اور وہ اس کے لیے صبر و استقامت کی تمام کڑیاں بھی سہنے پر آمادہ ہوگا، اس کے بارہ میں لازماً اس کا علم، اس کی محبت اور اس کی غیرت ہر چیز بڑھ جائے گی اور اب صرف اسی قدر نہیں چاہے گا کہ خود ہی اس سے محبت کرے بلکہ یہ بھی چاہے گا کہ تمام دنیا اس سے عشق کرے اور جہاں کہیں بھی حق کو مظلوم و مقہور اور باطل کو غالب و فتح مند دیکھے گا

تڑپ اُٹھے گا اور ایک غیور اور شریف انسان کی طرح دوسروں کو بھی ابھارے گا کہ حق کی حمایت کے لیے آمادہ ہوں اور اس کا یہ دوسروں کو ابھارنا بھی درحقیقت خود اس کے اپنے ہی جذبۂ حمایتِ حق کا ایک قدرتی نتیجہ ہے اور اس کا ایک حصّہ ہے۔ پس یہاں تواصی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے عملِ صالح کے ایک جزو اور اس کی توضیح کی حیثیت سے فرمایا ہے۔"

حق کے لغوی مفہوم کی وضاحت مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

"حق اصل میں تو موجود اور قائم کو کہتے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے اس کے معانی مختلف ہو گئے ہیں، کم از کم تین معنوں میں اس کا استعمال عام ہے:

(۱) وہ بات جس کا واقع ہونا قطعی ہو۔

(۲) وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلّم ہو۔

(۳) وہ بات جو اخلاقاً فرض ہو۔"

گویا تواصی بالحق چھوٹے چھوٹے اخلاقی فرائض کی ادائیگی کی تلقین سے لے کر عقل کے جملہ مسلّمات اور کائنات کے جملہ حقائق کی تبلیغ و اشاعت، حتّٰی کہ اس "دین الحق" کی شہادت اور اقامت تک پر حاوی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں:

"اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔"

اب صرف ایک مرحلہ اور باقی ہے یعنی یہ کہ تواصی بالحق لازماً تواصی بالصبر کو مستلزم ہے۔ صبر اوّل تو خود حق پر قائم رہنے کے لیے لازمی ہے اس لیے کہ حق پر خود

قائم رہنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ طرح طرح کے لالچ (TEMPTATIONS) اور نفس کے مرغوبات کی کشش کے مقابلے میں انسان اپنے آپ کو تھام کر رکھے اور قسم ہا قسم کے نقصانات اور موانع و مشکلات کے مقابلے کے لیے تیار رہے. لیکن تواصی بالحق کے مقام پر آنے کے بعد تو صبر و ضبط اور ثبات و استقامت کے عظیم امتحانات سے گزرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

عام مشاہدے کی بات ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا اقرار و اعلان بھی بسا اوقات صبر و ضبط کے عظیم امتحان کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ حقیقت پر استقامت بسا اوقات ہاتھ میں دہکتے ہوئے انگارے پکڑنے کے مترادف ہو جاتی ہے تو خود ہی تصور کیجیے کہ عقل کے جملہ مسلمات اور کائنات کے عظیم حقائق کی تبلیغ و اشاعت کیسے کچھ صبر و استقامت کی متقاضی ہو گی!

اس پر مستزاد یہ کہ ادائے حقوق کا مطالبہ کیا جائے! اور عدل و انصاف کے قیام کی دعوت دی جائے!! آپ کسی کو کسی چھوٹے سے چھوٹے اخلاقی فرض کی ادائیگی کی تلقین کر کے دیکھیے کہ کیسے چہروں کے رنگ متغیّر ہوتے ہیں اور تیوریاں بل کھا جاتی ہیں. کسی کو کسی کا غصب شدہ حق واپس کرنے کو کہہ کر دیکھیے کہ کیسی ناگواری (RESENTMENT) کا سامنا آپ کو کرنا پڑتا ہے۔ کسی مظلوم کی حمایت میں ایک جملہ منہ سے نکال کر دیکھیے کہ کیسے آپ خود بخود ظالم کے حریف اور مدِّمقابل بن جاتے ہیں! تو خود ہی غور فرمائیے کہ تمام اخلاقی فرائض کی ادائیگی کی تلقین، نظامِ عدل و قسط کے قیام کی دعوت

اور پورے "دینِ حق" کی اقامت کا مطالبہ ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے!!

یہ بات کہ حق کی دعوت دی جائے اور باطل اس کے مزاحم نہ ہو، میزانِ عدل وقسط کو قائم کرنے کا مطالبہ ہو لیکن ظالم اور غاصب خاموش رہیں، صرف ایک صورت ہی میں ممکن ہے اور وہ یہ کہ داعیانِ حق درپردہ باطل کے ساتھ مفاہمت ومصالحت (COMPROMISE) کیے ہوئے ہوں اور پورے حق کے بجائے اس کے صرف ان اجزاء کی "تبلیغ" میں مصروف ہوں جو وقت کے جباروں اور قہاروں کو "بے ضرر" معلوم ہو۔ ورنہ تو اصی بالحق کے تو ہر مرحلے میں ابتلا ناگزیر ہے اور اس کوچے میں ہر قدم ایک نئی آزمائش اور ہر لحظہ ایک نیا امتحان لے کر آتا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

اس مرحلے پر اہلِ حق کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ اپنے اپنے حوصلوں اور قوتوں کا تمام اثاثہ، اور صلاحیتوں اور توانائیوں کی تمام پونجی ایک جگہ مجتمع کردیں اور ایک دوسرے کے دست وبازو بن کر، خود صبر کرتے اور دوسروں کو صبر واستقامت کی تلقین کرتے ہوئے یعنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا[1] کی مجسم تفسیر بن کر بنیانِ مرصوص کی شکل اختیار کرلیں۔ اس منزل پر افراد کے قدم جمنے محال ہیں اور اجتماعیت ایک ناگزیر ضرورت کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق اور صبر کی وصیت کو یہاں تفاعل کے صیغے میں بیان کیا گیا، اور "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" میں ایک جماعتی زندگی کی اہمیت کی جانب لطیف اشارہ فرمادیا گیا۔!! مولانا فراہیؒ

---

[1] ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو اور چوکس وکمربستہ رہو۔" (آل عمران: ۲۰۰)

کی تفسیر سورۃ العصر سے جو اقتباس اُوپر درج کیا گیا، اس میں آپ آگے فرماتے ہیں:

"..... اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعتِ امیر پر منحصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اطاعت بھی موجود ہو۔"

(۷)

اُوپر کی تشریحات سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر چار مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ اور ایک سیدھی شاہراہ کی چار منزلیں ہیں۔ ان کے آپس کے ربط و تعلق کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایمان دراصل ایک بیج کے مانند ہے جس سے عملِ صالح کا پودا پھوٹتا ہے اور جب یہ پودا اپنی پختگی کو پہنچتا ہے تو تواصی کے برگ و بار لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اکثر و بیشتر ایمان کے ساتھ اس کے اوّلین نتیجے یعنی عملِ صالح کا تذکرہ لازماً کرتا ہے، لیکن کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف ایمان کے تذکرے سے ان چاروں کو مراد لے لیا گیا ہے جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا[1] الآیۃ میں جہاں ایمان کے بھی صرف اصل الاصول یعنی ربوبیتِ خداوندی کے اقرار کا تذکرہ فرمایا گیا اور ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سب کو سمیٹ لیا گیا اور کہیں ایمان کے بعد عملِ صالح کے ذکر کے بغیر تواصی کا تذکرہ فرما دیا گیا جیسے سورۃ البلد میں ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے فوراً بعد فرمایا گیا کہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ ۝

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم صلاح و فلاح کے جس راستے کی جانب رہنمائی کرتا ہے یہ چار چیزیں اس کے لیے بمنزلہ اساس کے ہیں اور ان ہی کی تشریح اور ان کے مدارج و مراتب کی تفصیل قرآن کے صفحات میں جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔

---

[1] ترجمہ: "جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر جم گئے... الخ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰)

پھر جس طرح ایمان کے ابتدائی مراحل سے لے کر صدّیقیت کے مقام تک بے شمار مدارج ہیں اور عملِ صالح موٹے موٹے اعمال سے شروع ہو کر ایک گھنے اور پاٹ دار درخت کی طرح انسانی زندگی کے جملہ اطراف حتیٰ کہ اس کے بعید ترین گوشوں (REMOTE CORNERS) تک پر محیط ہو جاتا ہے، اسی طرح تواصی بالحق کے بھی مختلف مدارج اور مراتب ہیں۔ اس کی ابتدائی اور اوّلین صورت 'تواصی بالمرحمۃ' کی ہے جس کے مواقع ہر انسان کو ہر وقت ملتے ہیں اور جس کی صلاحیت سے بھی شاذ ہی کوئی انسان محروم رکھا گیا ہے[1]۔ اس سے بلند تر مرتبے میں تواصی بالحق، دعوت الی اللہ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہی تواصی بالحق کا شجرۂ طیبہ شہادتِ حق، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کی سعی و جہد کے برگ و بار لاتا ہے جن کا "ذروۃ سنام" جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ صبر ان تمام مراحل میں انسان کا سب سے بڑا سہارا ہے اور تواصی بالحق کے اعلیٰ مدارج میں تو اس کو ایک اجتماعیت میں سمو کر تواصی بالصّبر کی شکل دینے کے سوا کوئی چارہ کار رہتا ہی نہیں!

ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر کے ان تمام مدارج تک ہر انسان کا پہنچنا یقیناً محال ہے۔

> لیکن اگر کسی انسان کی شخصیت کو کوئی اخلاقی یا روحانی بیماری گھن کی طرح کھا نہ چکی ہو تو لازم ہے کہ ایمان کا تخم جب اس کی کشتِ قلب میں جم کر پھوٹے تو اس سے

---

[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ کا ذکر ہمیشہ انسان کی اخلاقی پستی کی انتہائی علامت (SYMBOL) کے طور پر کرتا ہے۔

عملِ صالح اور تواصی بالحق کی متناسب اور متوازن شاخیں نمودار ہوں۔

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی جو ایمانیات کے بھی مبادی تک ہی رسائی رکھتا ہو اور شریعت کے موٹے موٹے احکام پر عمل پیرا ہو، اگر صرف تواصی بالمرحمۃ ہی تک پہنچ پائے تو یقیناً کوئی غلط بات نہیں، لیکن اگر صورت یہ ہو جائے کہ ایمان بالغیب کو ایمانِ شہودی بنانے کے لیے تو ریاضتوں اور مجاہدوں پر ایڑی چوٹی کا زور صرف ہو رہا ہو، اور عبادات میں نوافل کی کثرت کے ساتھ مستحبات تک کا اہتمام باریک بینی اور چھان پھٹک کے ساتھ ہو رہا ہو لیکن تواصی بالحق تو سرے سے ہی نہ ہو یا ہو بھی تو محض وعظ و نصیحت کی حد تک، تو یہ یقیناً ایک غلط صورتِ حال ہے۔ اور مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کی خبر دے کر جس کی طاعت و عبادت کا یہ حال تھا کہ فرشتوں نے خدا کے حضور اس کے بارے میں گواہی دی کہ انّہ لم یعصک طرفۃ عینٍ (اس نے تو پلک جھپکنے جتنا وقت بھی کبھی تیری نافرمانی اور معصیت میں بسر نہیں کیا) لیکن جس کے اس جرمِ عظیم نے کہ فانّ وجھہ لم یتمعر فی ساعۃً قطّ[۱] (یعنی اللہ کے معاملے میں اس کی بے غیرتی اور بے حمیّتی کا یہ عالم رہا کہ اس کے حدود کو پامال ہوتے دیکھ کر کبھی اس کے چہرے کا رنگ شدّتِ غیرت سے متغیّر نہ ہوا) اس کو عذابِ الٰہی کا اوّلین مستحق بنا دیا۔ اس معاملے کی ایک انتہائی (EXTREME) صورت ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔

پھر اسی طرح یہ صورتِ حال بھی یقیناً غلط ہی نہیں انتہائی مہلک ہے کہ تواصی بالحق کے تو بلند ترین درجات پر فائز ہونے کی سعی کی جائے اور بزعمِ خویش اعلائے کلمۃ اللہ، اقامتِ

---

[۱] رواہ البیہقی

دینِ الٰہی اور قیامِ نظامِ اسلامی کی جدّوجہد کی جائے لیکن عبادات میں محض فرائض کی ادائیگی ہو اور وہ بھی مارے باندھے سے! اور ایمان کے باب میں صرف چند کلامی نظریات پر اکتفا کر لی جائے!

اِن دو انتہائی صورتوں (EXTREMES) کے درمیان اور بھی جتنی غیر متوازن صورتیں پائی جائیں سب کی سب غلطیاں اور مہلک امراض کی علامات!

سورۃ العصر انسان کیلئے نجات کی جس واحد راہ کی نشاندہی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی صلاحیّت اور وسعت و ہمّت کے مطابق ایمان کی گہرائیوں تک رسائی کی کوشش کرے اور جتنا جتنا اس کی حلاوت اور چاشنی سے حصّہ حاصل کرتا جائے، اُسی قدر عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر عمل پیرا ہوتا چلا جائے۔

رہا یہ مسئلہ کہ مختلف انسانوں کی صلاحیّت اور وسعت کا تعیّن کس طرح ہو تو اگرچہ اکثر لوگوں کو شیطان نے دین میں ان کی بے عملی کے لیے یہی عذر سمجھا رکھا ہے کہ ہمارے اندر صلاحیّت اور قابلیّت موجود نہیں، لیکن اس کا سیدھا سا پیمانہ جو ہر شخص کے ساتھ ہر دم موجود ہے، یہ ہے کہ دنیا میں اس کی صلاحیّت اور قابلیّت کا ظہور کس درجے میں ہو رہا ہے۔ ایک ایسا بالکل مسکین شخص جس کی ہمّت دنیا کی دوڑ میں بھی جواب دے چکی ہو اگر دین میں عذر پیش کرے تو یقیناً اس کا عذر قابلِ قبول ہے لیکن ایسے لوگ جو دنیا کے سارے کاروبار میں دن دُگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہوں، اگر دین کے معاملے میں عدمِ صلاحیّت اور فقدانِ قابلیّت کے عذر پیش کریں تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ عذر کسی درجے میں بھی لائقِ اعتنا نہیں

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝[1]

---

[1] سورۃ القیامۃ: ۱۴، ۱۵

الہدیٰ قسط: ۷۵

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۴

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۲)

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ!

بد قسمتی سے تزکیۂ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں' وہ طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بد قسمتی یہ بھی رہی کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدتِ فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دورِ خلافتِ راشدہ کا طرۂ امتیاز تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیۂ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدتِ فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی' مجروح ہوئی۔ چنانچہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لئے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیۂ باطن' تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تربیت اور اسلوبِ تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیۂ نفس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا' وہ یہی تھا کہ پہلے اس قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر کی جائے' نقطۂ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے' نتیجۃً غلط اعمال پت جھڑ کے پتوں کی طرح ازخود جھڑ جائیں گے۔ یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیے کا عمل اور جان لیجئے کہ قرآن مجید ہی درحقیقت اس عملِ تزکیہ کا بھی محور ہے۔ "تلاوتِ آیات" کی طرح تزکیے کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کئے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظرانداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے: ؎

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوّال مست
آتش از شعرِ عراقی در دِلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

کہ اس عملِ تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کٹتا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ ہوگیا کہ عراقی یا اس قبیل کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر ان کی آنکھیں پُرنم نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے سے اندرونی کثافتوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا' وہ متروک ہوتا چلا گیا اور تزکیے کا عمل جو درحقیقت براہِ راست نتیجہ تھا "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ" کا' اسے اس کی اصل سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبال نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں ان کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے' اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے' دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اس

حدیثِ نبویؐ کا ترجمہ یا ترجمانی ہے کہ جس میں حضورؐ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

"بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے، جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے"۔

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے واقعتہً کسی نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضورؐ کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہے، لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ

ع خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کر لو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ:

ع کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی !

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات، غلط رجحانات، غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطۂ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا، تمہارے نقطۂ نظر کو درست کرے گا، اور تمہارے نظامِ اقدار (VALUE SYSTEM) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ کہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبے تمہاری شخصیت سے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے۔ اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہو سکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کر سکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انقلابی عمل میں قرآن حکیم کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس کو بڑے ہی اجمال کے ساتھ مولانا

حالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقہٗ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے، وہ اس دَور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُولا یزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ دردل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے، اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے، اس کی سوچ، اس کا فکر، اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں، اس کی اقدار، اس کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا کہ وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے۔ اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے، یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی۔ اور اس طرح تمام غلط رویّے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے، کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے والی جڑیں جو ہیں وہ اب کاٹی جا چکی ہیں۔

تعلیمِ کتاب

تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ "تعلیمِ کتاب" کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

"وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی"۔

یہاں ایک بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے "تلاوتِ آیات" میں بھی پیشِ نظر قرآن ہے۔ لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیشِ نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف گوشوں یا مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "کتاب" بالعموم قانون کے لئے آتا ہے مثلاً کسی چیز کے وجوب اور فرضیت کا بیان "کُتِبَ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ--- "تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا"۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ--- "تم پر قتال فرض کر دیا گیا"۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا اس کے الفاظ ہیں: كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ--- "تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے وصیت کر جائے!" کہیں آتا ہے: حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ--- "یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے"۔ تو لفظ "کتاب" کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہوگا۔ لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جا رہے ہوں تو "کتاب" سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لئے مختلف الفاظ آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا: "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" اور یہاں "تلاوتِ آیات" سے مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد "يُزَكِّيْهِمْ" کے الفاظ میں تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ" میں جو لفظ "کتاب" دوبارہ آیا ہے تو واقعہ

یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکامِ شریعت (DOs AND DON'Ts) ہیں۔ یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکامِ شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آ چکی' دلوں کی دنیا میں ایمان جاگزیں اور راسخ ہو چکا اور بنیادی طور پر بُرے کردار اور بُرے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بار آور ہو گا' نتیجہ خیز ہو گا۔ زمین کو تیار کئے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" کا عمل کیا جا چکا اور تزکیے کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجئے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آ گئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یک دم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا' ایمان کی بنیادوں کو استوار کیا' نتیجۃً بنیادی انسانی اخلاق پروان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا۔ اور یہ بیج خوب بار آور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ رکھی' یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے نازل کرنے میں پیشِ نظر رکھی۔ اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ ذہنی و قلبی تربیت کے بعد صحابہ کرامؓ کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تامل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کا کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجئے کہ شراب جیسی چیز جسے طبی دنیا میں بھی "HABIT MAKING" مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتی ہے کہ

پھر اس کا دفعتہً چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے' جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کہ گھٹی میں شراب تھی' جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج آپ کو مغربی تہذیب میں نظر آتا ہے کہ پانی تو پانی ہے' لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزوِ لاینفک تھی' شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں' شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی' لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آگیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا' اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔ احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ (وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ○) انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جہاں تمام اعمال کی جوابدہی ہوگی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سُود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بناپر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ "إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" تو جواب صرف یہ دیا گیا: "أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربٰو کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں' تو اب اس کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد

کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ شراب نوشی کے نقصانات گنوائے گئے۔ بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر اسی شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے بڑے راز اگلوا کر لے گئیں۔ لیکن اس طرح کے متعدد حقائق بیان کرنے اور پورے اعداد و شمار مہیا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار، یہ سارا فلسفہ اور سارے طبّی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور ع "چشتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حلت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا اس کے PROCESS میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتابِ الٰہی کی تلاوتِ آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیۂ نفوس کے بعد تعلیمِ کتاب یعنی احکامِ شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب اوامر و نواہی، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کا آخری مرحلہ "تعلیمِ حکمت" کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔ "حکمت" کا لفظ اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ"۔ اس مقام پر لفظ "حکمت" پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں "ح ک م" کا مادہ بنیادی طور پر کسی شے کی پختگی اور استحکام کے لئے آتا ہے۔ حکمت انسانی عقل اور شعور کی پختگی ہے۔ انسان کے اندر غور و فکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (MATURE) ہو جانا اور اس میں اصابتِ رائے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے۔ اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیتِ انسانی کے نقطۂ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "فلسفۂ تاریخ" کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی، فلاں

تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب و ہوا کیا ہے' وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبیعی جغرافیہ (PHYSICAL GEOGRAPHY) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیّر و تبدّل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطّے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ "کیوں اور کیسے؟" ہر گوشۂ علم میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پا کر وہ پختگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے "کیوں اور کیسے" کو سمجھ سکے تو یہ "حکمت" ہے۔ فاتحِ دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃُ اللّٰہِ البالغۃ" کا موضوع یہی حکمتِ دین ہے کہ احکامِ شریعت میں کیا حکمتیں ہیں' ان کے کیا مقاصد ہیں۔

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی ہے۔ "سمع و طاعت" اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?

Theirs but to do die!

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرتِ باطنی اور "Enlightment" پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے' اس کی حکمتیں کیا ہیں' اس کی غرض کیا ہے' اس کی علّت کیا ہے' اس کی مصلحتیں کیا ہیں! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظامِ اجتماعی کے اپنے مصالح کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامر و نواہی طبیعت کے لئے کسی ناگوار کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے' بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ"۔ یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ "صراطِ مستقیم" عطا فرما دی اور ایک متوازن

اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعامِ خداوندی ہے۔ اور اس نعمت کا اتمام ہوا ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ البقرہ میں اس "حکمت" کے بارے میں فرمایا گیا: "وَمَنْ يُؤْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیرِ کثیر سے نواز دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے۔ اور اللہ کا اس شخص پر بہت ہی بڑا احسان ہے جسے اس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے "اسرارِ دین" سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبۂ کمال اور نقطۂ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحہ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لائیے: (۱) يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (۲) وَيُزَكِّيهِمْ (۳) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (۴) وَالْحِكْمَةَ ---- اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بتدریج کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر کیجئے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں۔ اس کے صبح و شام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور اس کے ذہن کا جائزہ لیجئے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی "برٹرینڈ رسل تو نہیں ہے، وہاں کوئی "ساخت" اور اس کا فلسفہ وجودیت تو مسلط نہیں ہے کہیں کسی "فرائڈ" کے نظریات نے تو اس پر تسلط حاصل نہیں کر لیا، کہیں کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور اس کے دل پر مستولی ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا نہیں کر سکتے، آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نورِ ایمان، اللہ کا

یقین، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین اور وحی و رسالت کا یقین پیدا نہیں کر سکتے، تو جان لیجئے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے۔ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزے کی گنجائش ہی نہیں۔ اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحبِ ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو مانتا ہو، اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہوگا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک کہ ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہِ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر "تلاوتِ آیات" کے ذریعے سے اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بری عادتیں خودبخود بدل جائیں گی اور سب بری لتوں سے وہ خودبخود آزاد ہوتا چلا جائے گا۔ اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ دردِ سری مول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جڑیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خودبخود خشک ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم، اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہوگا بلکہ فطری ہوگا۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہے تو اسے مرتبۂ حکمت تک پہنچایئے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں جو ٹھہراؤ، تمکّن اور دوام حاصل ہوگا اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہر بات ہے کہ حکمت کا یہ مقام کچھ نرالا ہی مقام ہے۔ یہاں انسان گویا کہ اپنی بصیرتِ باطنی سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مقدم ہے، کیا مؤخر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع کی ہے۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹامک ٹوئیے نہیں مار رہا ہوتا،

بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبۂ حکمت کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوعِ بشر کا ہے، بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعۂ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (Individual) ہی کی طرح کا رویہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ قوتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثرانداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک "ذہین اقلیت" اس پورے مجموعۂ افراد پر اثرانداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے یہ طاقت ہاتھ میں ہے۔ لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے، اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں چل سکتے ہیں، لیکن چلیں یا نہ چلیں، اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں، اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد میں ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں، لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجئے کہ کسی قوم، کسی معاشرے، کسی سوسائٹی، کسی کمیونٹی، یا کسی ہیئتِ اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (INTELLECTUAL MINORITY) یا "INTELLIGENTSIA" ہوتی ہے، جسے آپ "BRAIN TRUST" سے تعبیر کر سکتے ہیں اس پوری ہیئتِ اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے، اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فردِ بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں اور معاشرے کے رُخ کا تعین کرتے ہیں۔ باقی عوام الناس جو ہیں وہ اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رُخ کر لیں گے پورا معاشرہ ادھر رُخ کر لے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے ہیں اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں، کسی قوم یا ہیئتِ اجتماعیہ کو

اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہئے کہ کسی جگہ بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ انقلاب پر اساسی منہاج یہی ہوگا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجئے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں CONVERT کرلیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیو کلیئس پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدار کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا ہوگا' نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک "DOGMA" کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور "Brain Trust" کے تبدیلی قبول کرنے سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کرلے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت کرتے رہئے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رجوعِ عام بھی ہو جائے' تبدیلی برپا نہیں ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چھوٹی سی مثال پر غور کرلیجئے کہ ہمارے ہاں کسی زمانے میں ترقی پسند ادیبوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ اصطلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ "استحصال" جیسا بھاری بھرکم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں آئے گا' اس لئے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور و فکر کرنے والے اور سوچ و بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس "ذہین اقلیت" نے ایک فلسفے کو قبول کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو BAN کرسکتے ہیں' لیکن فکر پر کوئی قدغنیں عائد نہیں کی جاسکتیں' فکر کے لئے کسی پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے معدوم ہوگئے آپ کسی ملک یا خطۂ زمین کو محفوظ خطہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' تو انسان بدلے گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لئے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لیئے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے فکری بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر

بنی ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اس ضمن میں بعض لوگوں کو یہ مغالطہ اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑائیے' اس وقت اشتراکی نظام روئے ارضی کے کتنے بڑے حصے پر قائم ہے۔ پورے مشرقی یورپ' پورے شمالی ایشیا' بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ لگائیے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مارکس کے بارے میں کہا تھا ع

"نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب"

اس کی بغل میں "کتاب" تھی' اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو' کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز ہیں۔ تو ذرا سوچئے کہ ایک انسان کی ایک کاوش' اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف APPROACH درست ہو' اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو' اس کتاب سے واقعتہً وہ کام لیا جائے کہ جس کے لئے وہ نازل کی گئی ہے' جس کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ' جس کے ذریعے سے افراد بدلے' ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدوجہد سے گزر کر انقلاب محمدؐ کی عملی تکمیل فرما دی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین○

رُودادِ سفر

مشرقِ بعید میں سات دِن

امیرِ تنظیم اسلامی کے دورۂ سنگاپور اور ملائشیا کی رپورٹ

مرتب: ڈاکٹر عبدالخالق، ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

امیر تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جنوب مشرقی ایشیا کے قلب میں واقع ملک ملائشیا کا یہ دوسرا دورہ تھا۔ گزشتہ سال کے اواخر میں امریکہ سے واپسی پر انہوں نے پہلی مرتبہ ملائشیا کا دورہ کیا۔ گزشتہ سال اور اس مرتبہ بھی اس دورہ کے اصل محرک اور میزبان ہمارے رفیقِ تنظیم جناب نعیم غفور شیخ صاحب تھے' اگرچہ چند دوسرے احباب نے بھی ان مواقع پر ان سے بھرپور تعاون کیا جس کا تذکرہ ان شاء اللہ رپورٹ کے دوران آ جائے گا۔ راقم الحروف کا تو بیرون پاکستان کا یہ پہلا سفر تھا۔

سنگاپور اور ملائشیا کے دورے کا مقصد

کسی بھی اسلامی انقلابی تحریک میں شامل یوں تو ہر فرد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ بین الاقوامی حالات سے کماحقہٗ آگاہی رکھتا ہو، خصوصاً مسلمان ممالک کے حالات اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کی سوچ و فکر' رہن سہن' طرزِ معاشرت اور سب سے بڑھ کر وہاں پر دین کے لئے کام کرنے والی جماعتوں اور تحریکوں سے واقفیت رکھنا اس کے مشن میں ممدّ معاون ہوتا ہے' لیکن ایسی کسی تحریک کے داعی کے لئے یہ امر تو گویا لابدّ منہ ہے۔ اور حالات سے آگاہی کے لئے یہ مقولہ کس قدر صحیح ہے کہ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ!" اور دوسرے یہ کہ امیرِ محترم نے اپنی زندگی جس مقصد کے لئے وقف کر رکھی ہے' گویا ع میرا پیغام "قرآنی" ہے جہاں تک پہنچے، اس کا تجربہ بھی راقم کو اس سفر کے دوران خوب ہوا۔

☆ ☆ ☆

ملائشیا --- تاریخی اور جغرافیائی حالات

ملائشیا کی آبادی قریباً پونے دو کروڑ ہے۔ آبادی کا تناسب کچھ یوں ہے کہ ۵۵ فیصد کے قریب ملایا کے قدیم باشندے ہیں جن کی اکثریت مسلمان ہے۔ باقی کے ۴۵ فیصد میں اکثریت

چینیوں کی ہے اور قریباً ۱۰ فیصد ہندوستانی ہیں۔ چینیوں کی اکثریت بڑے شہروں میں آباد ہے اور کاروبار پر پوری طرح چھائی ہوئی ہے۔ سرکاری محکموں میں ملائی لوگوں کو فوقیت حاصل ہے۔ چھوٹے شہروں اور دیہات میں چینی افراد کا تناسب ۱۰ تا ۲۰ فیصد ہے۔

یہ ملک خطِ استواء سے ذرا سا شمال میں واقع ہے لہٰذا یہاں کا موسم سال بھر ایک جیسا رہتا ہے، یعنی گرم مرطوب۔ درجہ حرارت ۲۱° اور ۳۱° کے درمیان رہتا ہے۔ سال بھر میں چار موسموں کا یہاں کوئی تصور موجود نہیں۔ بارشیں خوب برستی ہیں۔ نتیجۃً پورا علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ کئی علاقے تو گھنے جنگلوں پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہاں کے لوگوں نے یوں ادا کیا ہے کہ اس سرسبز اور شاداب علاقے کو ایک نظم میں پرو کر مزید جاذبِ نظر بنا دیا ہے۔

ملائشیا اپنی پوزیشن کے اعتبار سے ایک عرصہ تک مشرق و مغرب کی جانب سے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال رہا ہے۔ اس خطّہ میں اسلام کی آمد سے قبل ہندو اور بدھ مذاہب کا عمل دخل تھا۔ ۱۸۱۹ء میں یہ خطہ انگریزوں کے زیرِ اثر آ گیا۔ تاہم دوسری جنگِ عظیم کے بعد جہاں انگریز کو برِعظیم پاک و ہند کو آزادی دینا پڑی، وہیں ۱۹۵۷ء میں یہ خطہ بھی آزاد ہو گیا۔ ۳۱ر اگست ان کا یومِ آزادی ہے۔

قدیم زمانے سے یہ علاقہ ربڑ کی پیداوار کے لئے مشہور رہا ہے۔ تاہم اب مصنوعی ربڑ آ جانے کے بعد قدرتی ربڑ کی کھپت کم ہو گئی ہے، چنانچہ اب ربڑ کے درختوں کی جگہ پام کے درخت لے رہے ہیں، جن کے جنگل کے جنگل اگائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ لکڑی اور کاغذ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ نباتات میں سے ٹن کی پیداوار بھی قابلِ ذکر ہے اور اب تو یہاں تیل بھی نکل آیا ہے۔

نظامِ حکومت پارلیمانی ہے۔ ریاست کا سربراہ سلطان ہوتا ہے، جو پانچ سال کے لئے ۱۳ میں سے ۹ ریاستوں میں سے باری باری مقرر ہوتا ہے۔ تعلیم عام ہے، ذریعۂ تعلیم ملائی زبان ہے، اگرچہ انگریزی زبان دوسرے لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے، اگرچہ دوسرے مذاہب پر عمل درآمد کی بھی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

۲۴ر اگست کو علی الصبح چار افراد کا قافلہ، جو جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، جناب اسلم علوی صاحب (تنظیمِ اسلامی کے رفیق جن کا تعلق کراچی سے ہے)، شاہین نیازی صاحب (کراچی) اور راقم الحروف پر مشتمل تھا، پی آئی اے کی پرواز کے ذریعے لاہور سے سنگاپور کے

لئے روانہ ہوا۔ روانگی کا وقت چار بجے تھا۔ نماز فجر ہم نے جہاز کی سیڑھیوں کے پلیٹ فارم پر باجماعت ادا کی۔ جہاز کی روانگی میں کسی فنی خرابی کے باعث قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر ہوگئی۔ لاہور سے پرواز کے بعد ہندوستان اور برما کے اوپر سے گزرتے ہوئے ہم تقریباً ۱۰ بجے بنکاک کے ہوائی اڈے پر اترے، اگرچہ مقامی وقت کے مطابق ۱۲ بج چکے تھے۔ ایئرپورٹ انتظامیہ کی طرف سے لاؤنج میں جانے کی اجازت نہ ملی، لہٰذا جہاز کے اندر ہی قید رہے۔ دوبارہ پرواز کے بعد مقامی وقت کے مطابق قریباً ۵ بجے ہم سنگاپور کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اتر گئے۔ اس ہوائی اڈے کی وسعت اور خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاز سے اترتے ہی جناب اے جے خان صاحب نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ موصوف اس ہوائی اڈے کی انتظامیہ کے چیئرمین ہیں۔ اپنی اصول پسندی اور محنت کی بنا پر دیارِ غیر میں پاکستان کا نام روشن کئے ہوئے ہیں۔ جناب نعیم غفور صاحب اور جناب کامران مسعود صاحب ہوائی اڈے کے باہر موجود تھے۔ امیگریشن کے ضوابط سے فارغ ہونے اور آدھ گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد ہم قریباً ۶ بجے کامران صاحب کے اپارٹمنٹ میں پہنچے۔ ویسے تو پورا سنگاپور ہی اپنی صفائی اور نفاست کے اعتبار سے مثالی ہے، تاہم کامران صاحب کا اپارٹمنٹ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ۱۸ ویں منزل پر واقع اس اپارٹمنٹ سے شہر کا نظارہ بھی خوب تھا۔ نماز مغرب کے بعد کچھ وقت کے لئے شہر کی سیر کی اور بعد ازاں نماز عشاء مسجد میں ادا کرنے کے بعد گھر کو روانگی ہوئی۔ صبح لاہور سے روانگی سے قبل رات بھر نیند نہ لے سکنے اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث مقامی وقت کے مطابق ۱۱ بجے بستروں میں چلے گئے، اگرچہ پاکستانی وقت کے حساب سے ابھی ۸ ہی بجے تھے۔

۲۵ اگست صبح دس بجے الجمعیتہ الاسلامیہ سنگاپور کے ہال میں امیرِ محترم کا لیکچر تھا۔ اس ادارے کے پیشِ نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ چھٹی کا دن ہونے کے باعث امید تھی کہ بڑی تعداد میں لوگ اس لیکچر میں شریک ہوں گے، لیکن شرکاء کی تعداد ۷۵ سے زیادہ نہ ہو سکی، جس میں ۱۵ تا ۲۰ کے قریب خواتین بھی شامل تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب انگریزی زبان میں تھا۔ موصوف نے ایمانِ قانونی اور ایمانِ حقیقی کا فرق اور ایمانِ حقیقی کے تقاضوں کو واضح انداز میں بیان فرمایا۔ خطاب کا دورانیہ ایک گھنٹہ تھا۔ بعد ازاں قریباً آدھ گھنٹہ سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ پروگرام کے اختتام پر مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس کے دوران بھی احباب سے گفتگو اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعیۃ کے ناظم جناب ابوبکر صاحب خود بھی غالباً کسی مصلحت کے تحت تاخیر سے، اس گفتگو کے دوران ہی پہنچے۔ اس پروگرام کے انعقاد میں جناب کامران مسعود کی مساعی کو دخل حاصل رہا۔ یہاں سے

فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب تو جناب مسعود کامران صاحب کے اپارٹمنٹ تشریف لے گئے اور ہم تین حضرات نعیم غفور صاحب کے ہمراہ شہر کی سیر کو نکل گئے۔

نمازِ عصر کے فوراً بعد جناب مسعود کامران صاحب کے ہاں پاکستانی حضرات کا ایک اجتماع تھا۔ ۲۰ تا ۲۵ حضرات کے علاوہ ۵ تا ۷ خواتین بھی اس پروگرام میں شریک ہوئیں۔ ابتداءً باہمی تعارف سے آغاز ہوا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست منعقد ہوئی، جس کے دوران ایک سوال کے جواب میں، جو کہ علی اشرف کی طرف سے ہوا، امیرِ محترم نے "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے حوالے سے مفصّل گفتگو کی۔ اس کے علاوہ عطاء اللہ خان صاحب کی طرف سے بھی مفید سوالات آئے، جن کے جوابات سے حاضرین کو خاصی معلومات حاصل ہوئیں۔

نماز مغرب سے قبل مہمانوں کی پر تکلّف چائے سے تواضع کی گئی۔ یہ سارا انتظام جناب کامران مسعود صاحب نے کیا۔ کامران مسعود صاحب کا تعلق کراچی سے ہے۔ موصوف آج کل Contract Basis پر سنگاپور ایئرلائنز میں فلائٹ انجینئر ہیں۔ جناب کامران مسعود صاحب اور ان کے گھر والوں نے جس انداز سے ہماری خاطر مدارات کی وہ قابلِ ستائش ہے۔ انہوں نے ہمارے آرام کو اپنے گھر والوں کے آرام پر ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے اس ایثار کو ان کے اور ان کے گھر والوں کے لئے اجر کا باعث بنا دے۔ آمین!

اگلے روز یعنی ۲۶ر اگست بروز سوموار ۱۱ بجے ہم سب جناب نعیم غفور صاحب کے ہمراہ بذریعہ کار کوالالمپور کے لئے روانہ ہوئے۔ جس جگہ سے سنگاپور جوہرہارو (ملائشیا کا ساحلی شہر) سے ملا ہوا ہے، وہاں سمندر کی چوڑائی ایک کلومیٹر سے بھی کم ہے۔ امیگریشن کے ضوابط سے فارغ ہونے میں ہمیں قدرے زیادہ وقت لگا۔ وجہ یہ تھی کہ جناب اسلم علوی صاحب کے پاسپورٹ کے ختم ہونے کی میعاد چھ ماہ سے کم رہ گئی تھی اور ملائشیا کے امیگریشن کے قانون کے مطابق یہ مدت کم از کم چھ ماہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ ڈیوٹی پر موجود سٹاف نے افسرِ بالا سے رجوع کرنے کا کہا۔ بہرحال اجازت ملنے میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

جوہرہارو میں داخل ہوتے ہی ایک تبدیلی کا احساس ہوا کہ تمام بورڈ ملائی زبان میں تحریر تھے، جس سے ہم میں سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ جوہرہارو شہر کے نام کے بارے میں بھی بعد میں معلوم ہوا کہ ملائشیا میں ساحلی شہروں کے ساتھ "بارو" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ بندرگاہ کی تبدیل شدہ شکل ہے۔ ایسا ہی ایک شہر کوٹہ بارو بھی ہے۔ یہاں سے ہم مختلف چھوٹے بڑے شہروں سے گزرتے ہوئے کوالالمپور کی طرف رواں دواں تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف میں زمین کا کوئی بھی ٹکڑا سبزے سے خالی نہ تھا۔ کہیں گھاس کے وسیع و عریض قطعے،

کہیں دور تک پھیلے ہوئے ربڑ اور پام کے درختوں پر مشتمل جنگلات، اور کہیں چاولوں کے سرسبز و شاداب کھیت۔ قدرتی مناظر سے بھرپور یہ سفر قریباً چھ گھنٹے تک جاری رہا۔ راستے میں کھانے اور نماز کا وقت نکال لیا جائے تو گویا ۵ گھنٹے ہم نے کار ہی میں گزارے۔ ہائی وے بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دو رویہ وسیع و عریض ہائی وے جدید تقاضوں کے مطابق تعمیر کی گئی ہے۔ ۷ بجے کے قریب ہم کوالالمپور میں جناب نعیم غفور صاحب کے گھر پہنچ چکے تھے۔

نعیم غفور صاحب کا گھر ایک اعتبار سے خالی تھا۔ ابھی دو روز پہلے ہی ان کی فیملی پاکستان منتقل ہوگئی تھی، بلکہ جس جہاز سے ہم سنگاپور پہنچے اسی جہاز سے ان کی فیملی پاکستان روانہ ہوئی۔ نعیم غفور صاحب ملائشیا ایئرلائنز میں فلائٹ انجینئر کے طور پر ملازم ہیں۔ تین سال پہلے Contract Basis پر ملائشیا ایئرلائنز سے وابستہ ہوئے، اسی دوران ہی ان کا تعارف تنظیم اسلامی سے ہوا۔ ان تین سالوں کے دوران ان کا مرکزی دفتر تنظیم اسلامی سے بھرپور رابطہ رہا اور مبتدی و ملتزم کورس انہوں نے اپنی اولین فرصت میں پورا کیا۔ اب تین سال مکمل ہو جانے کے بعد اگرچہ اس بات کا پورا امکان تھا کہ ان کے Contract میں توسیع ہو جاتی، لیکن نعیم غفور صاحب کے پیشِ نظر دین کے حوالے سے ایک اہم تر کام تھا، یعنی دینی تعلیم کا حصول۔ اس غرض سے انہوں نے فیصلہ کیا کہ Contract ختم ہونے کے بعد وہ پی آئی اے سے ایک سال کی چھٹی لے کر قرآن کالج لاہور سے ایک سالہ کورس کی تکمیل کریں گے۔ چنانچہ اب وہ ستمبر کے اوائل میں پاکستان منتقل ہو رہے ہیں اور یکم اکتوبر سے شروع ہونے والے کورس میں شریک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی و ایثار کو قبول فرمائے اور ان کے لئے حالات سازگار بنائے کہ وہ اس کورس کی تکمیل بحسن و خوبی کر سکیں۔

نعیم غفور صاحب کی اہلیہ ہمارے لئے پہلے ہی سے مختلف کھانے پکا کر فریز کر گئی تھیں۔ ہم نے آپس میں ڈیوٹیاں بانٹ لیں۔ چنانچہ کسی کی کھانا گرم کرنے کی ڈیوٹی لگی تو کسی کی ناشتہ بنانے کی۔ کبھی کسی کی چائے بنانے کی ڈیوٹی ہوتی، تو کسی کی برتن دھونے کی۔ تاہم اسلم علوی صاحب اور شاہین نیازی صاحب کو اس بات کا Credit جاتا ہے کہ باورچی خانے کے حوالے سے زیادہ تر ڈیوٹی ان دو حضرات نے ہی ادا کی۔ نعیم غفور صاحب والا کرایہ کا گھر اب ریاض رفیع صاحب نے لے لیا ہے اور ان کی فیملی کو دو ستمبر تک پاکستان سے وہاں پہنچ جانا تھا۔ چنانچہ اس دوران ریاض رفیع صاحب کی معیت بھی حاصل رہی، اگرچہ وہ اپنی ڈیوٹی کے حوالے سے زیادہ مصروف رہے اور پروگراموں میں بھی ان کی شرکت نہ ہو سکی۔

نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کھانے کے انتظامات میں لگ گئے۔ تھکے ہوئے تو

تھے ہی، نماز عشاء سے فارغ ہو کر رات کا کھانا کھانے کے بعد فوراً آرام کے لئے لیٹ گئے۔

گزشتہ سال امیر محترم کے دورہ ملائشیا کے دوران مقامی ٹیلی وژن نے ان کے پندرہ پندرہ منٹ کے چھ لیکچر ریکارڈ کئے تھے، جو بعد ازاں ٹیلی وژن پر "Pedoman" پروگرام کے تحت دکھائے جاتے رہے۔ یہ لیکچر انگریزی زبان میں تھے۔ "Pedoman" ملائی زبان کا لفظ ہے، جس کا انگریزی مفہوم "Guidance" یعنی "رہنمائی" ہے۔ (واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دروس پر مشتمل پاکستان ٹی وی کا پروگرام "الہدیٰ" کا عنوان بھی قریباً اسی مفہوم کا حامل تھا۔) یہ پروگرام ہفتہ کے روز سوا پانچ بجے دکھایا جاتا ہے۔ یہاں پر ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام کو کافی پسند کیا گیا۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی پہلے سے ریکارڈنگ کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ اس پروگرام کی ریکارڈنگ ۲۷ر اگست کو صبح ۱۱ر بجے طے تھی۔ اس مرتبہ پندرہ پندرہ منٹ کی چار تقریریں ریکارڈ کی گئیں (موضوعات تھے: راہِ نجات۔ سورۃ العصر کی روشنی میں، حقیقی نیکی، سورۃ الفاتحہ اور مسئلۂ تقدیر) نماز ظہر کے بعد اسی پروگرام کے تحت دو مختصر انٹرویو بھی ریکارڈ کئے گئے۔ انٹرویو لینے والے تھے جناب ڈاکٹر محمد عارف، جو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں اکنامکس کے شعبے میں ڈپٹی ڈین کے عہدہ پر فائز ہیں۔

بعد نماز عصر کچھ پاکستانی حضرات ملاقات کے لئے تشریف لے آئے، جن میں مبارک صاحب، اقبال صاحب اور معصوم صاحب شامل تھے۔ محمود صاحب بھی ان دنوں ملائشیا میں تھے۔ یہ ہمارے کراچی کے رفیقِ تنظیم ہیں اور کاروبار کے سلسلے میں اکثر ملائشیا اور سنگاپور کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے نہ صرف پروگراموں میں بھرپور شرکت کی، بلکہ باورچی خانے میں بھی ہمارا خوب ہاتھ بٹایا۔ ان کا تعلق سری نگر (مقبوضہ کشمیر) سے ہے۔ آج کے ملاقاتیوں میں جناب ڈاکٹر یحییٰ علوی بھی شامل تھے۔ موصوف پیشہ کے اعتبار سے فزیشن ہیں۔ زیادہ عرصہ امریکہ اور برطانیہ میں گزار چکے ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصہ انہوں نے کشمیر میں بھی گزارا، جس کا مقصد اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کرنا تھا۔ انہوں نے وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کی ترویج کے لئے کافی محنت کی، لیکن نامساعد حالات (جن کا تذکرہ اس رپورٹ میں کرنا ممکن نہیں) کے پیشِ نظر اب مستقل طور پر ملائشیا منتقل ہو چکے ہیں۔ اسلامک یونیورسٹی میں میڈیکل کے شعبہ کے قیام سے متعلق ابتدائی منصوبہ بندی پر کام کر رہے ہیں۔

۲۸ر اگست علی الصبح کوٹہ بارو روانگی کا پروگرام تھا۔ یہ ملائشیا کے شمال مشرق میں واقع KALANTAN STATE کا صدر مقام ہے۔ گزشتہ انتخابات میں یہاں دینی ذہن رکھنے والی پارٹی کو انتخابات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ جناب نعیم غفور صاحب نے جناب محمد صفدر صاحب

کی وساطت سے وزیر اعلیٰ نِک عبدالعزیز صاحب سے ملاقات کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ جناب صفدر صاحب کے والد صاحب کا تعلق پاکستان کے ضلع سیالکوٹ سے تھا، لیکن خود صفدر صاحب کی پیدائش ملائشیا ہی کی ہے۔ موصوف ملائی زبان روانی سے بولتے ہیں۔ ان کی جان پہچان کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ چنانچہ ان کے تعلقات اور زبان سے شناسائی کے حوالے سے وزیر اعلیٰ صاحب سے ملاقات میں آسانی پیدا ہوئی۔ لیکن پروگرام کی صحیح منصوبہ بندی نہ ہو سکی تھی، چنانچہ نِک عبدالعزیز صاحب سے ملاقات کا وقت بھی پہلے سے طے نہ ہونے کے سبب کافی انتظار کرنا پڑا۔ تاہم اس دوران ہم نے اس چھوٹے سے شہر کا ایک دورہ مکمل کر لیا۔ وزیر اعلیٰ صاحب سرکاری رہائش گاہ کی بجائے اپنی ذاتی رہائش گاہ میں ہی مقیم ہیں۔ ان کی رہائش گاہ بھی دیکھی اور اس سے متصل وہ سکول بھی جس میں وہ تدریس کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے ہیں۔ صبح سے ظہر تک وہ ایک میٹنگ میں شریک تھے اور یہ میٹنگ اس کے بعد بھی جاری رہنا تھی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے پر ان سے ملاقات ہوئی۔ جناب نِک عبدالعزیز صاحب کی عمر ۷۰ سال کے قریب ہے۔ موصوف نے دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ لاہور میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاں بھی گزارا۔ انگریزی کی نسبت اردو میں زیادہ روانی سے بات کر لیتے ہیں۔ بہت ہی سادہ طبیعت کے آدمی ہیں۔ کھانے کے بعد ظہر کی نماز ہم نے ان کی امامت میں ادا کی۔

نک عبدالعزیز صاحب کو حکومت کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ابھی صرف ۸ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ وفاقی آئین مکمل شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ہے۔ اور وفاقی حکومت پر اس ضمن میں پہلے ہی سے غیر مسلم آبادی کی طرف سے کافی دباؤ ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تسلیم کیا کہ وفاقی حکومت کی جانب سے فنڈز کی کمی کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ تاہم انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ تمام تر مشکلات کے باوجود اپنی حد تک وہ اسلام کی ترویج کی کوشش جاری رکھیں گے۔ حکومت کے زیر اہتمام تبلیغ کا ایک شعبہ حلقات الدعوۃ قائم کر دیا گیا ہے، جس کے ذمے قرآن کی ناظرہ اور حفظ کی تعلیم ہے۔ دوپہر کے کھانے پر مختصر سی ملاقات میں بہت سی معلومات حاصل ہوگئیں۔ ہماری واپسی کی فلائٹ ۲۰-۷ پر تھی، چنانچہ درمیان کا عرصہ ہم نے وزیر اعلیٰ صاحب کی سرکاری رہائش گاہ پر گزارا۔ وہیں پر اسمبلی کے سپیکر جناب محمد عمر صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ سرکاری رہائش گاہ سے ایئرپورٹ تک ہم نے ان کی معیت اور ان کی گاڑی میں سفر کیا۔ موصوف بھی نہایت سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ایک سال بعد اگر آپ کا یہاں کا دورہ ہوا تو آپ یہاں پر بہت تبدیلی محسوس کریں گے۔ رات

تقریباً ۱۰ بجے تک ہم گھر (کوالالمپور) واپس پہنچ گئے۔

اگلا روز اس اعتبار سے بالکل فارغ تھا کہ امیر محترم کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ انہوں نے تو گھر پر ہی آرام کیا اور شاہین نیازی صاحب اور میں، نعیم غفور صاحب کے ہمراہ شہر کی سیر کو روانہ ہوگئے۔ ۳۱ر اگست کو یہاں یوم آزادی منایا جا رہا تھا' لہٰذا بڑی بڑی عمارتوں کو خوب سجایا گیا تھا اور مزید تیاریاں بھی جاری تھیں۔

۳۰ر اگست جمعہ کے روز دو پروگرام تھے۔ ایک پاکستانی مسجد میں خطابِ جمعہ اور دوسرا بعد نماز مغرب اقبال حمید صاحب کے ہاں پاکستان سے تعلق رکھنے والے حضرات و خواتین کا اجتماع۔ جمعہ کا خطاب اگرچہ اردو زبان میں تھا' لیکن درمیان میں ملائی زبان میں اس کا ترجمہ بھی بیان کیا جاتا رہا' کیونکہ نمازیوں کی اکثریت ملائی لوگوں پر مشتمل تھی۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ۲۵ منٹ میں "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے موضوع کے حوالے سے گفتگو کو مکمل کیا۔ ملائی زبان میں ترجمہ جناب بلال صاحب نے کیا۔ ہمیں تو ملائی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر کیسے معلوم ہوتا کہ ترجمہ کیسا ہو رہا ہے' لیکن خود مترجم کا جوش و خروش اور سامعین کی توجہ اور محویت سے اندازہ لگایا کہ صحیح بات پہنچ رہی ہے۔ مسجد کے باہر جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی کتب اور کیسٹس کا سٹال بھی لگایا گیا تھا' جہاں سے اردو کی نسبت انگریزی کتب کے سیٹ زیادہ تعداد میں فروخت ہوئے۔

رات نماز مغرب کے بعد جناب اقبال حمید صاحب کے ہاں پروگرام میں امیرِ محترم نے اپنے خطابِ جمعہ کے موضوع کو نسبتاً تفصیل کے ساتھ سامعین کے سامنے رکھا اور انہیں اس بات کی ترغیب دلائی کہ وہ اپنے ملک میں آکر دین کا کام کریں کہ ان کی اصل ذمہ داری اپنے ملک میں دین کے عملاً نفاذ کی جدوجہد ہے۔ ایک گھنٹے کے خطاب' جس میں تقریباً ۴۰ حضرات اور ۱۵ خواتین نے شرکت کی' کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد کھانے کا انتظام جناب مشتاق صاحب کی طرف سے تھا جنہوں نے امیرِ محترم کے گزشتہ دورہ ملائشیا کے دوران بھی کافی سرگرمی سے پروگراموں میں حصہ لیا تھا۔ اس موقع پر بھی کتب و کیسٹس کا سٹال لگایا گیا تھا۔

جناب اسلم علوی صاحب اور جناب شاہین نیازی صاحب تو رات ہی بس کے ذریعے سنگاپور روانہ ہوگئے' انہیں اگلے روز ہمارے ساتھ ہی پاکستان واپس جانا تھا' جبکہ جناب ڈاکٹر صاحب اور راقم الحروف کی سنگاپور کے لئے روانگی اگلے روز By Air تھی۔

۳۱ر اگست کوالالمپور میں ہمارا آخری دن تھا۔ فلائٹ کا وقت تو اگرچہ ۲ بجے کا تھا' لیکن گھر

باقی صفحہ ۸ پر

مدیرِ نوائے وقت کے نام
اداراتی نوٹ کے جواب میں چند گزارشات

از: عبدالرحمٰن۔ سیالکوٹ کینٹ

مکرم و محترم جناب مجید نظامی صاحب' السلام علیکم!

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ آپ کا موقر روزنامہ میدانِ صحافت میں مصلحت کی فوجوں کے خلاف جس طرح سے حق کا عَلم ہاتھ میں لئے برسرپیکار ہے اس پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں آپ کی توجہ ۱۴ر اگست کے ایک اداراتی نوٹ بعنوان "خلافت ـــــ ڈاکٹر اسرار احمد کی نئی اپج" کی طرف مبذول کراتے ہوئے مندرجہ ذیل گزارشات کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ اداراتی نوٹ کے عنوان' دوسرے کالم کے آخری فقرے ("ان حالات میں ڈاکٹر صاحب محض نئی بات کہنے کے شوق میں جمہوریت سے لوگوں کو بدظن کرنے کا شغل ترک کر دیں") اور اداراتی نوٹ کے آخری فقرے ("اس کے باوجود اگر ڈاکٹر صاحب خلافت کے طلبگار ہیں تو پھر انہیں بسم اللہ کرنی چاہئے۔ خلیفہ تو موجود ہے' اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کا نظام بھی قائم کر دینا چاہئے") میں استہزاء کا پہلو نمایاں ہے' جو اوّلاً تو "نوائے وقت" جیسے سنجیدہ روزنامے کو زیب نہیں دیتا اور دوسرے ڈاکٹر صاحب جیسے عظیم سکالر کی رائے کو ردّ کرنے کے لئے اس طرح کی زبان استعمال کرنا بڑا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں چند معروضات آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کے قارئین اور سامعین جانتے ہیں کہ انہیں نئی باتیں کہنے کا شوق نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ڈاکٹری جیسے بار آور پیشے کو چھوڑ کر کسی شغل میں مصروف ہیں۔ اگر وہ نئی باتیں کہہ کر لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے شوقین ہوتے تو مجلسِ شوریٰ سے مستعفی نہ ہوتے کہ جو "نئی باتیں" کہنے کا بہترین فورم تھا' یا پھر مختلف ادوار میں ان کو حکومتی مناصب کی جو پیشکش ہوتی رہی ہے اسے قبول کر لیتے۔ لہٰذا آپ کو تو بہتر معلوم ہونا چاہئے کہ ان جیسا مذہبی سکالر شوق اور شغل میں نئی بات نہیں کہتا' بلکہ وہ ملّت کی حالتِ زار پر غور و فکر کرتے ہوئے حالات

کی مناسبت سے اپنی مخلصانہ رائے کا اظہار کرتا ہے، جو بہرصورت فکری جمود کے شکار معاشرے میں نئی بات ہی لگتی ہے، کیونکہ بقول علامہ اقبال ؎

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

۲۔ آپ کی یہ رائے کہ اخلاقی انحطاط اور معاشرتی انتشار کے اس دَور میں جمہوریت یا کسی نظام کو خلافت کا نام دینا خلافتِ راشدہ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ اپنے پس منظر میں گو کہ ادب کا ایک پہلو لئے ہوئے ہے، لیکن آئندہ نظامِ خلافت کو رائج نہ کرنے کے حق میں یہ کوئی وزنی استدلال نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ آپ نظامِ خلافت رائج کرتے ہوئے موجودہ سیاسی نظام کے چہرے سے جمہوریت کا لیبل ہٹا کر اس پر خلافت کا سٹکر چسپاں نہیں کر دیں گے، بلکہ سیاسی ڈھانچے میں کئی ایک بنیادی تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور ووٹرز کو خلافت کی اہمیت اور ووٹ کی امانت سے روشناس کرانا ہوگا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ خلافت "خلافتِ راشدہ" کا ہم پلہ ہونے کی دعویدار تو نہیں ہوگی بلکہ خلافتِ مسلمین کی ایک شکل ہوگی۔ خلافت کے موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے اگر آپ "خلیفۃ اللہ"، "خلیفۃ الرسول" اور "خلیفۃ المسلمین" کی اصطلاحات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیں تو یہ عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ موجودہ دَور میں خلافت کا نظام رائج کرنے سے اس آئیڈیل نظامِ خلافت کا چہرہ دھندلا جائے گا تو محترم، اس میں اصل چیز تو خلوصِ نیت ہے۔ اگر ہم خلوص سے اس طرف بڑھیں تو ہو سکتا ہے کہ ہجومِ ناخلف سے ہمیں بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ عمر بن عبدالعزیزؒ اور اورنگزیب عالمگیرؒ کی طرح کے کسی شخص سے نواز دے۔ کیا جس وقت یہ دو حضرات آئے اس وقت کے دیگر خلیفے اور بادشاہ ملت کے لئے کسی نیک نامی کا باعث تھے؟ صرف اصطلاح کے تقدّس کو قائم رکھنے کے لئے ایک جائز قدم اٹھانے سے باز رہنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس انداز میں سوچیں تو پھر تو ہمیں جمہوریت کا نام بھی نہیں لینا چاہئے، کیونکہ جس طرح آج ہمارے ملک میں جمہوریت کی مٹی پلید ہو رہی ہے، اس سے تو بیچارے کرامویل جیسے جمہوریت کے معماروں کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی۔ اور اگر یوں صرف نام کا تقدّس قائم رکھنے کے لئے ہی کسی چیز کو چھوڑنا ہے تو آیئے اپنے نام بھی تبدیل کریں، کیونکہ آج کے عمر فاروق، عثمان اور محمد علی وغیرہ نام رکھنے والے تو پھر ان اکابرین کی توہین کر رہے ہیں۔ اور پھر کیا ہم خود کو مسلمان کہلوا کر اس دَور کے مسلمان کے تشخص کو دھندلا نہیں کر رہے؟ تو آیئے ازراہِ

ادب خود کو مسلمان کہلوانا چھوڑ دیں!

۳۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ خلافت مسلمانوں کی اصطلاح ہے، جبکہ جمہوریت مغرب کی۔ ہمیں خود انحصاری کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اپنی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں اور نہ صرف اغیار کے مال کی گدائی ترک کرنی چاہئے، بلکہ ان کے افکار و تخیل کی بھی۔

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

۴۔ آپ نے بجا فرمایا کہ آپ مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت کو کسی اسلامی ملک کے لئے موزوں نہیں سمجھتے اور اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے جمہوریت کو اپنانے کو آپ درست سمجھتے ہیں۔ میں آپ سے بصد احترام صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ آئی جے آئی کی پارلیمانی پارٹی میں "شریعت بل" پر بحث کے دوران اے این پی کی اس ترمیم کو کہ "شریعت بل ملک کے موجودہ سیاسی نظام پر اثرانداز نہ ہو" تسلیم کر لینا اور یوں اسلامی نظام کے تیسرے حصے، یعنی سماجی، معاشی اور سیاسی پہلو میں سے سیاسی پہلو، کو کاٹ کر علیحدہ پھینک دینا، جبکہ علامہ کی روح پکار پکار کر کہہ رہی ہو کہ ع "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" کس زمرے میں آئے گا؟ کیا اس جمہوریت کو آپ اسلامی حدود و قیود کی پابند جمہوریت کہیں گے یا حاکمیتِ جمہور کی ترجمان؟؟

آخر میں آپ سے بصد احترام گزارش کروں گا کہ آپ جیسے ممتاز صحافی کے موقر اخبار کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ عصرِ حاضر کے قحط الرجال میں کسی صائب الرائے مذہبی مفکر کی فکر اور سوچ کو یوں بیک جنبشِ قلم ردّ کر دے۔ بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس رائے کو فکری جس کے اس لمحے میں ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا گردانتے ہوئے، اس کا خیر مقدم کرتے اور اس پر اپنے فورم میں "مذاکرے" کراتے، تاکہ اس رائے کے تمام پہلو کھل کر سامنے آتے اور رائے عامہ کا پتہ چلتا۔ اس پر اظہارِ رائے کے لئے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے لوگوں کو مدعو کیا جاتا اور اس کے بعد اگر آپ واقعی اس نتیجے پر پہنچتے کہ فی الوقت خلافت کا نظام ہمارے لئے موزوں نہیں ہے تو بلاشبہ اس سے اختلاف کرتے۔ لیکن اس طرح سے ایک رائے کو صرف ذاتی اختلافِ رائے کی وجہ سے ردّ کر دینا آپ جیسے لوگوں کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ میرے نزدیک یہ "صحافتی ڈکٹیٹر شپ" ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان گزارشات پر کھلے دل سے غور کریں گے۔ اگر آپ ان سطور کو "ایڈیٹر کی ڈاک" میں "مدیر نوائے وقت کی خدمت میں بصد احترام" کے عنوان سے جگہ دیں تو بندہ ممنون ہوگا۔ XXX

"جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے سیاسی نظریات: ایک خوش آئند تبدیلی"

ہفت روزہ 'فروغ' حیدر آباد کا ادارتی نوٹ

ذیل کا مضمون، جو در حقیقت ایک ادارتی نوٹ کی حیثیت رکھتا ہے 'مولانا وصی مظہر ندوی کے زیر ادارت حیدر آباد سے شائع ہونے والے ہفت روزہ 'فروغ' کی ۲۰ر اگست ۹۱ء کی اشاعت سے ماخوذ ہے۔ 'فروغ' کے محترم مدیر نے اپنے رسالے میں "جمہوریت نہیں خلافت" کے زیر عنوان 'میثاق' میں شائع شدہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ سے بعض اقتباسات ایک مفصل ادارتی نوٹ کے اضافے کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ اس ادارتی نوٹ میں، جو بحیثیت مجموعی امیر تنظیم اسلامی کے فکر کی تائید و توثیق پر مشتمل ہے 'صاحب تحریر نے اس نکتے کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے کہ جن خیالات کا اظہار آج محترم ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں 'مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنے مشہور خطبے "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں ان حقائق کا اعلان بہت پہلے کر چکے تھے۔ ہم ریکارڈ کو درست رکھنے کی خاطر محترم مدیر کی خدمت میں بصد احترام یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کبھی اس حقیقت کے اعتراف میں باک محسوس نہیں کیا، بلکہ ماضی میں محترم ڈاکٹر صاحب نے تحریراً یا تقریراً "اسلام کے سیاسی نظام" کو جب بھی کبھی موضوعِ کلام بنایا نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کا حوالہ دیا' بلکہ مولانا مرحوم کی وضع کردہ اصطلاح "Popular Vicegerency" کو اسلام کے سیاسی نظام کی درست ترین تعبیر قرار دیتے ہوئے اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں مولانا کے علوِ فکر کا ہمیشہ اعتراف و اعلان کیا۔ اس امر کا اعلان ان کی جانب سے اس تواتر کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ اب "خلافت" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس کا اعادہ ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ (ادارہ)

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک طرف مکمل انقلابِ اسلامی برپا کرنے کے لئے "تنظیم اسلامی" کے امیر کی حیثیت سے سرگرمِ عمل ہیں اور اس حیثیت میں وہ موجود الوقت حالات کو فوری طور پر بدلنے کی کسی عملی جدوجہد میں حصّہ لینے کو کارِ عبث تصوّر کرتے ہوئے اپنی دعوت اور دعوت کو مان لینے والوں کی تنظیم و تربیت میں مصروف ہیں۔ دوسری طرف وہ ملک کے حالات سے یکسر لاتعلق بھی نہیں رہتے' چنانچہ وہ سیاسی حالات کی ہر کروٹ کا جائزہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی روشنی میں لیتے رہتے ہیں اور ہفتہ وار خطبۂ جمعہ یا دیگر اجتماعات کے ذریعہ اپنے بصیرت افروز تبصروں اور مشوروں سے ملک و قوم کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ اب تک وہ بہت شدومد کے ساتھ مکمل اسلامی انقلاب آنے تک ملک کے اندر پارلیمانی جمہوریت کے قیام و استحکام کی ضرورت پر زور دیتے چلے آئے ہیں اور اس جمہوریت کو نقصان پہنچانے والے ہر

عمل کی وہ سخت مذمت کرتے رہے ہیں۔ لیکن اب الحمدللہ ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ جمہوریت چونکہ عوام کے حقِ حکمرانی پر قائم ہے' اس لئے وہ تو کفر و شرک ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تازہ خطباتِ جمعہ میں جمہوریت پر شدید تنقید کرتے ہوئے واضح طور پر کہا ہے کہ وہ اب "خلافت" کے اسلامی ادارے کو قائم کرنے کی بات کریں گے' جمہوریت کی نہیں۔

ہم ان کے اس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اسلامی خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد میں تعاون کا اعلان کرتے ہیں۔ تاہم ذیل میں ہم نے ان کے خطباتِ جمعہ کے جو اقتباسات نقل کئے ہیں' ان سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ خیالات میں ابھی تک مکمل یکسوئی نہیں ہے۔ کبھی وہ پارلیمانی اور صدارتی دونوں طرح کے جمہوری نظام کو از قبیلِ مباحات قرار دیتے ہیں اور کبھی وہ صدارتی نظام کو "خلافت" کے قریب تر تسلیم کرنے کے باجود موجودہ دستور کو خالص پارلیمانی بنانے پر زور دیتے ہیں۔ پھر آج جس حقیقت کا ادراک و اعتراف جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حق پسندی کے جذبہ کے ساتھ کیا ہے ہم اس کی قدر و قیمت کو کسی طرح کم نہیں کرنا چاہتے ہیں' لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اکتوبر ۳۹ء میں اسی شہر لاہور کے اندر اپنے مشہور خطبہ "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں ان تمام حقائق کا پہلے ہی اعلان کر چکے تھے' بلکہ ڈاکٹر صاحب نے آج جن انگریزی اصطلاحات کو اپنے خطبۂ جمعہ میں استعمال کیا ہے وہ سب کی سب وہی ہیں جن کو مولانا مودودیؒ نے ان حقائق کے اظہار کے لئے اختیار کیا تھا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں:

"جمہوریت تو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے نام ہی اس طرزِ حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیتِ اعلیٰ حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جس کو وہ نہ چاہیں وہ کتابِ آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے۔ یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے ذریعہ دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے' لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا"۔

(اسلام کا نظریۂ سیاسی ص ۲۳ پندرھواں ایڈیشن)

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:

"کیونکہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ (Paramountcy) کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود حاکمیت (Limited Popular Sovereignty) عطا کی گئی ہے....." (صفحہ ۲۴ حوالہ مذکور)

پھر وہ اسلامی نظریۂ خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت کے جائے خلافت (Vicegerency) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے' کیونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے"۔
>
> "دوسری کانٹے کی بات اس آئین میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مؤمنوں سے کیا گیا ہے' یہ نہیں کہا گیا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مؤمن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مؤمنوں کو عطا ہوتی ہے وہ عمومی خلافت (Popular Vicegerency) ہے"۔ (ص ۳۶-۳۷ حوالہ مذکور)

اب پچاس سال سے زائد کا عرصہ گزارنے کے بعد جب ڈاکٹر صاحب نے ان حقائق کو تسلیم کر ہی لیا ہے تو وہ یکسوئی کے ساتھ ان پر قائم ہو جائیں۔ پارلیمانی اور صدارتی جمہوریت کے جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اسلامی خلافت کی تحریک لے کر اٹھیں اوز اس کے تمام تقاضے پورے کرنے پر آمادہ ہوں تو شہید ضیاء الحق نے اس کام کے لئے اس حد تک فضا ہموار کر دی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اعوان و انصار کی کمی کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔

"امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا نعرۂ قلندری"

ماہنامہ "امارتِ شرعیہ" کا اداریہ

(خورشید احمد گنگوہی)

وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جو دنیا میں کسی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے محبت کرتے ہیں۔ غرض اور لوث کی آلودگی سے اپنے قلب و دماغ کو پاک صاف رکھتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو تنظیم اسلامی کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے اسی قسم کی عقیدت رکھتے ہیں' عقیدت کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کے دفاع کا حق ادا کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو محترم ڈاکٹر صاحب کے افکار و اعمال اور سیرت و مساعی میں حق کی جھلک دیکھتے ہیں' جس نے ان کے دلوں کی تمام عقیدتوں اور ان کی جبینوں کی ایک ایک نیازمندی کو

ڈاکٹر صاحب سے عشق کے لئے چُن لیا ہے اور انہوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر "انقلابِ اسلامی" برپا کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر "بیعتِ انقلاب" کی سعادت تو میسّر نہیں آئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم آپ کے حلقہ میں شامل ہر مخلص و صادق کی طرح موصوف سے محبّت کرتے اور عقیدت رکھتے ہیں۔

ہم نے محترم ڈاکٹر صاحب سے اپنی محبت و عقیدت کا جو چمن آراستہ کر رکھا ہے، جسے آج تک کسی موسم کی کوئی ہوا متاثر نہ کر سکی، جس کی بہار کے لئے ابھی تک کوئی خزاں پیدا نہ ہو سکی، اس کا سبب محض اور محض یہ ہے کہ آپ کے نزدیک مسلمانوں کے جملہ امراض کی "اصلی علت" اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے کلامِ الٰہی کے "العروۃ الوثقیٰ" کو چھوڑ رکھا ہے۔ جب تک مسلمانانِ عالم اپنے اعمالِ زندگی کو "سلطانِ قرآن" کے تابع نہیں کریں گے، انہیں اپنے مسائلِ حیات کی گتھی سلجھانے کا سرا نہیں ملے گا۔ اس امت کو پہلے دن کی طرح اپنے زوال سے نکلنے کے لئے آج بھی کسی منطقی، فلسفی، کتبی، زاہد، خمول اور معلّمِ قال اقول کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے داعیٔ قرآن کی ضرورت ہے جو اسے نظری سے نجات دلا کر عملی روشوں سے آگاہ کر دے۔

اس روز ہماری محبّت عشق میں بدل گئی جس دن ہم نے ڈاکٹر صاحب کے ۲۸ر جون کے خطابِ جمعہ کے اقتباسات وطنِ عزیز کے روزناموں اور پندرہ روزہ "ندا" لاہور میں پڑھے۔ یہ اقتباسات جمہوریت کی نفی اور خلافت کے اِثبات و احیاء سے متعلق ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں ہر اصطلاح ایک مستقل فکر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اور المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اصطلاحات کے ذریعے اغواء کیا جاتا ہے۔ پہلے قومیں قوموں کو غلام بنایا کرتی تھیں، اب افکار قوموں کو فتح کرتے ہیں۔ اس کے لئے براہِ راست فکر پیش نہیں کی جاتی بلکہ ایسی اصطلاح اس فکر کے غلبہ کے لئے وضع کی جاتی ہے جس سے کسی قوم کو فکری حوالے سے اغواء کر لیا جائے۔ لہٰذا ہمیں ہر صورت میں اصطلاحات کے استعمال میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

ہم تنظیمِ اسلامی کے امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے "خلافت" کی اصطلاح کو استعمال کرنے کا عزم فرمایا ہے۔ ہم دوسری مذہبی تحریکوں کے قائدین سے بھی امید کریں گے کہ وہ غلبۂ دینِ حق کے لئے کوئی اصطلاح ایجاد کرنے کی بجائے "خلافت" ہی کا نام لیں گے۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

رفتارِ کار

امیر تنظیم اسلامی کا چار روزہ دورۂ کوئٹہ اور صوبہ بلوچستان کا علاقائی اجتماع

مرتب: سید برہان علی

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ سالِ رواں میں مختلف حلقوں میں علاقائی اجتماعات منعقد کئے جائیں گے۔ چنانچہ صوبہ بلوچستان کے علاقائی اجتماع کے لئے گزشتہ مشاورت میں ماہِ اگست کا انتخاب کیا گیا۔ بعد ازاں اگرچہ امیر محترم کے سفرِ حج اور دیگر مجوزہ غیر ملکی دورے کے پیشِ نظر یہ اجتماع ماہِ ستمبر میں منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا' لیکن امیرِ محترم کے پروگرام میں تبدیلی اور حج کی ادائیگی کے بعد غیر ملکی دورے پر روانگی کے بجائے لاہور واپس پہنچ جانے پر مرکز سے ناظمِ اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر جناب محمد راشد گنگوہی سے رابطہ کر کے دریافت فرمایا کہ چونکہ اگست کا مہینہ خالی ہے لہٰذا کیوں نہ اسی ماہ میں کوئٹہ کا جلسۂ عام اور علاقائی اجتماع منعقد کر لیا جائے۔ کوئٹہ کے امیرِ تنظیم نے اپنے رفقاء سے مشورہ کے بعد مرکز کو آمادگی سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ طے پایا کہ ۱۳ر اگست کو انجمن خدام القرآن بلوچستان کا سالانہ اجلاس ہوگا' جس کے بعد سوال و جواب کی خصوصی نشست بھی ہوگی' ۱۴ر اگست کو صبح دس بجے جلسۂ عام کا انعقاد طے کیا گیا اور اس کے اختتام سے ۱۹ر اگست کی دوپہر تک علاقائی اجتماع کا پروگرام طے کیا گیا۔

گزشتہ سال کوئٹہ میں جلسۂ عام الیکشن کی ہنگامہ خیزیوں کے دوران منعقد ہوا تھا اور اس مرتبہ بھی جلسہ کے لئے ۱۴ر اگست کی تاریخ رفقاء کے لئے باعثِ تشویش تھی' کیونکہ اس روز یومِ آزادی کے حوالے سے تقریبات اور جلسوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ لیکن رفقاء نے اللہ ربّ العزت پر توکل کرتے ہوئے گزشتہ سال کی طرح اس چیلنج کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ مذکورہ بالا امور چونکہ ماہِ جولائی کے آخر میں طے پائے تھے' اس لئے کام کرنے کے لئے وقت بہت کم تھا اور افرادی قوت کی بھی کمی تھی۔ بہرحال فوری طور پر کام کا آغاز کر دیا گیا۔ سب سے پہلے کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر سے مجوزہ تاریخ کو صادق شہید پارک میں جلسۂ عام منعقد کرنے اور اس سے قبل

دو روز کے لئے جلسۂ عام کی تشہیر کی غرض سے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت حاصل کی گئی۔

مقامی امیر نے پہلے ہی سے مختلف کام معین کر کے رفقاء کو ڈیوٹیاں تفویض کر دی تھیں۔ سب سے بڑا اور اہم کام جلسۂ عام کی تیاریوں کے ضمن میں تھا' اس کے لئے محمد رفیق صاحب کو ناظم مقرر کر دیا گیا۔ مکتبہ کی ذمہ داری راقم الحروف کے سپرد کی گئی۔ امیرِ محترم کو ایئرپورٹ سے لانے اور مختلف مقامات پر لے جانے کی ذمہ داری ڈاکٹر محمد امین صاحب کو تفویض کی گئی۔ بعد میں اکرام الحق صاحب کی کوئٹہ واپسی پر یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دی گئی۔ جلسۂ عام کی تشہیر کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کرنے کا کام محمد انور قریشی صاحب کے سپرد کیا گیا' جس کے لئے ۱۲ اور ۱۳ اگست کی تاریخیں مقرر کی گئی تھیں۔ دوسرا اہم کام علاقائی اجتماع کے لئے مناسب جگہ کا حصول تھا' جس کا کوئی مناسب بندوبست نہ ہو پا رہا تھا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد ایک مقامی مسجد میں اس کی اجازت حاصل کی گئی۔ رفیقِ محترم اکرام الحق صاحب نے کوئٹہ واپسی پر پیشکش کی کہ یہ اجتماع ان کے گھر پر رکھا جائے۔ چنانچہ ناظمِ اعلیٰ اور امیرِ محترم کی اجازت سے علاقائی اجتماع کی جگہ تبدیل کر دی گئی اور اکرام الحق صاحب کی پیشکش قبول کرتے ہوئے اسے ان کے گھر پر رکھا گیا۔

جلسہ عام کے پروگرام کی تشہیر کے لئے بینرز تیار کرائے گئے۔ ہینڈ بلز اور پوسٹرز مرکز سے چھپ کر آ گئے۔ چنانچہ جمعہ ۹ اگست سے منظم طور پر تشہیری مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ سب سے پہلے جمعہ کی نماز میں شہر کی مختلف مساجد میں رفقاء نے پانچ ہزار ہینڈ بلز تقسیم کئے۔ دو روز تک (جمعہ و ہفتہ) بعد نمازِ عشاء شہر کے مختلف حصوں میں پوسٹرز چسپاں کئے گئے اور اتوار کو نماز عشاء کے بعد بینرز لگانے کا کام کیا گیا۔ یہ تمام کام رفقاء کی مختصر سی جمعیت نے انتہائی لگن اور جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے اس جذبے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ان کی محنت اور جدوجہد کو قبول فرما کر ان کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

پروگرام کے مطابق ۱۲ اگست بروز پیر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظمِ اعلیٰ بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس ڈھائی بجے کوئٹہ پہنچے۔ ان کے استقبال کے لئے راقم الحروف کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ تقریباً پونے چار بجے امیرِ محترم کا جہاز کوئٹہ ایئرپورٹ پر اترا۔ کوئٹہ تنظیم کے امیر جناب محمد راشد گنگوہی صاحب اور رفیقِ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی معیت میں امیرِ محترم شیث ہوٹل تشریف لائے جہاں ان کے اور ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دونوں حضرات نے کچھ دیر آرام فرمایا اور بعد نمازِ عصر گنگوہی صاحب اور امین صاحب کے ہمراہ کوئٹہ

لی تفریح گاہ ہنہ جھیل کی سیر کو تشریف لے گئے۔ بعد نمازِ مغرب ہوٹل واپسی ہوئی، جہاں کچھ رفقاء نے امیر محترم سے ملاقات کی۔ بعد ازاں امیرِ محترم نے کچھ رفقاء کے ہمراہ گنگوہی صاحب کے دولت خانے پر ماحضر تناول فرمایا۔

اگلے روز یعنی ۱۳ر اگست کو پریس کلب کوئٹہ میں پروگرام "حال احوال" میں کوئٹہ کے صحافیوں کی جانب سے امیرِ محترم کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کا وقت ساڑھے گیارہ بجے مقرر تھا۔ امیرِ محترم نے صحافیوں سے نہایت مفصل اور جامع خطاب فرمایا اور ان کے سوالات کے سیر حاصل جوابات عنایت فرمائے۔ پروگرام کی تفصیل کوئٹہ کے تمام اخبارات نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کی۔

اسی روز شام چھ بجے شیٹ ہوٹل میں انجمن خدام القرآن بلوچستان کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ راقم الحروف نے سالِ گزشتہ کی کارکردگی اور جائزہ رپورٹ پیش کی اور اس راہ میں حائل دشواریوں کا ذکر کیا۔ امیر محترم نے کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا اور یہ طے کیا کہ چونکہ گزشتہ سالانہ اجلاس کو ابھی ایک سال نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس سالانہ اجلاس کو ماہ نومبر تک مؤخر کر دیا جائے اور اس دوران کوئٹہ میں ایک 'قرآن کانفرنس' کے انعقاد کی تیاری کی جائے، جس میں کوئٹہ اور بیرونِ شہر سے ممتاز علماء و دانشور حضرات کو مدعو کیا جائے۔ انجمن کا اجلاس شرکاء کی چائے کے ساتھ تواضع پر اختتام پذیر ہوا۔ بعد نمازِ مغرب سوال و جواب کی خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں کافی لوگوں نے ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمائی اور مختلف سوالات لکھ کر پیش کیے۔ امیر محترم نے ان سوالات کے مدلل جوابات دیئے۔ نمازِ عشاء پر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ رات کا کھانا محمد امین صاحب کی جانب سے ان کی رہائش گاہ پر طے تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر امیرِ محترم ہوٹل واپس تشریف لائے۔

جلسۂ عام کا وقت ۱۴ر اگست کی صبح ۱۰ بجے طے کیا گیا تھا، لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ جلسہ گاہ میں شامیانے، قناتیں، کرسیاں اور دیگر لوازمات رات ہی کو لگا دیئے جائیں تاکہ جلسہ صبح اپنے مقررہ وقت پر بلا تاخیر شروع کیا جا سکے۔ چنانچہ رات ہی کو یہ تمام کام کر لیا گیا اور دو رفقاء حاجی محمد رفیق صاحب اور جاوید انور صاحب نے پوری رات جلسہ گاہ میں سامان کی چوکیداری کرتے گزاری۔ جلسہ اپنے وقتِ معین پر شروع ہوا۔ قاری شاہد اسلام بٹ صاحب نے اپنی پر سحر آواز میں سورۃ الصف کی تلاوت فرمائی۔ کوئٹہ تنظیم کے امیر نے جو کہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی ادا کر رہے تھے، حاضرینِ جلسہ کے سامنے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعد ازاں ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے جلسۂ عام سے مختصر خطاب فرمایا۔ تقریباً ۱۰ بج

کر ۵۰ منٹ پر امیرِ محترم کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ امیرِ محترم نے "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے موضوع پر ۲ گھنٹے کی تقریر فرمائی۔ آپ نے قرآنی آیات و احادیثِ مبارکہ کے حوالہ سے بنی اسرائیل اور امتِ مسلمہ کی تاریخ کا تقابل پیش کیا۔ بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے چار ادوار کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے موجودہ امتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے حوالے سے اس امت کے "اتیین" اور "آخرین" کے عروج و زوال کی داستان تفصیل سے بیان فرمائی۔ آپ نے احادیث کے حوالے سے خبردار کیا کہ اس امت کا مستقبلِ بعید (جو کہ اب زیادہ بعید نہیں) جس قدر شاندار اور تابناک ہے، مستقبل قریب اسی قدر تاریک اور بھیانک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امت کے ایک حصے پر، جو "اتیین" پر مشتمل ہے، اللہ کا آخری اور مستقل عذاب وارد ہو چکا ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ، جو "آخرین" پر مشتمل ہے اور جس میں اہلِ پاکستان بھی شامل ہیں، عذابِ الٰہی کی زد میں ہے۔ آپ نے مزید وضاحت فرمائی کہ عربوں کے بعد دوسری سب سے بڑی مجرم قوم پاکستانی قوم ہے، جس نے اللہ سے یہ وعدہ کر کے خطۂ عظیم پاکستان حاصل کیا تھا کہ وہ اس مملکتِ خداداد میں اپنی زندگیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے تحت بسر کرے گی، لیکن یہ قوم ۴۵ سال گزر جانے کے باوجود مسلسل وعدہ خلافی کی مرتکب چلی آ رہی ہے۔ اور اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کے تائب ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس ضمن میں آپ نے ملک میں موجود دینی جماعتوں کے کردار کا بھی ذکر فرمایا اور خصوصاً جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء اسلام سے پرزور اپیل کی کہ وہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے، جو موجودہ ذلت و رسوائی اور اللہ کے عذاب کے دائرے سے نکلنے کی واحد صورت ہے، انتخابی راستوں کو خیرباد کہہ کر ایک امیر کی زیرِ قیادت انقلابی راستہ اختیار کریں۔ اسی طرح آپ نے تبلیغی جماعت سے بھی خصوصی اپیل کی کہ وہ بھی فضائل کے کام سے آگے بڑھ کر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ آخر میں امیرِ محترم نے اپنی جماعت تنظیم اسلامی کے بارے میں شرکاء جلسہ کو بتایا کہ اس جماعت کا قیام ٹھیٹھ اسلامی طریقہ یعنی بیعت کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے جو خالصۃً نبوی طریق ہے اور یہ جماعت اس ملک میں اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے منہجِ انقلابِ نبویؐ کی طرز پر جدوجہد کر رہی ہے۔ جلسہ تقریباً پونے ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔ جلسہ میں قریباً چار سو افراد کی حاضری تھی، جو اگرچہ کوئی مثالی حاضری نہیں ہے، تاہم اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ یومِ آزادی کے موقع پر قوم کا بیشتر حصہ ٹی وی کے آگے بیٹھا جشنِ آزادی منا رہا تھا، دوسرے اس روز جلسوں اور دیگر تقریبات کی بھرمار تھی، اور پھر اسی وقت ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر معروف مقام میزان چوک پر مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا،

جس سے وزیرِ اعلیٰ بلوچستان خطاب فرما رہے تھے تو یہ حاضری بہرحال غنیمت نظر آتی ہے۔

جلسہ عام میں کوئٹہ کے ایک معروف عالم، جامع مسجد ہدیٰ کے خطیب محترم مولانا رحمت اللہ صاحب نے بھی اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ شرکت فرمائی۔ مولانا 'میثاق' اور 'ندا' کے باقاعدہ اور مستقل قاری ہیں، امیرِ محترم کی ذات سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ جلسہ کے اختتام پر امیرِ محترم کے ساتھ ہی ہوٹل تشریف لائے اور ماحضر تناول فرمایا۔ نیز امیرِ محترم کے ساتھ گفتگو فرمائی اور آپ کو کوئٹہ کے ایک اور معروف عالم جناب سید عبدالستار شاہ صاحب سے ملاقات کی دعوت دی۔

۴ر اگست کی شام ہی کو بعد نماز مغرب جامع مسجد طوبیٰ میں محترم قاری سید افتخار احمد صاحب کی اجازت اور عنایت سے سوال و جواب کی ایک اور نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ امیرِ محترم نے حاضرین کے سوالات کے جوابات تفصیل سے دیئے۔ اس پروگرام کے بعد ہوٹل میں کوئٹہ کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب مولانا انوار الحق حقانی صاحب اور مولانا دُرّانی صاحب نے امیرِ محترم سے ملاقات کی۔ مولانا حقانی صاحب نے کچھ اُمور پر امیرِ محترم کے موقف کی وضاحت چاہی، جن میں ایک سوال مولانا مودودی مرحوم کی کتاب 'خلافت و ملوکیت' کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تھا۔ امیرِ محترم نے اس ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کے موقف سے اعلانِ براءت فرمایا۔ طویل گفتگو میں امیرِ محترم نے نہ صرف دونوں علماء حضرات کے سوالات کے جوابات دیئے بلکہ اپنے موقف اور دعوت کو وضاحت کے ساتھ بھرپور انداز میں ان کے سامنے پیش کیا، جس سے ان کی کچھ غلط فہمیاں رفع ہوئیں اور اندازہ ہوا کہ وہ اس گفتگو سے مطمئن ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں۔

۵ر اگست کو بعد نماز فجر جامع مسجد چمن پھاٹک میں درسِ قرآن کا پروگرام طے تھا۔ امیرِ محترم نے قریباً ایک گھنٹہ سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کا درس دیا اور ان کی روشنی میں اقامتِ دین کی فرضیت کو واضح طور پر بیان فرمایا اور اسلامی تحریک کے کارکنوں کے چند اوصاف کی وضاحت فرمائی۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد تقریباً پونے آٹھ بجے امیرِ محترم جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب، محمد راشد گنگوہی صاحب اور اکرام الحق صاحب کی معیت میں طے شدہ پروگرام کے تحت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب سے ملاقات کی غرض سے جامعہ رحیمیہ تشریف لے گئے، جہاں مولانا رحمت اللہ صاحب بھی موجود تھے۔ بعد ازاں جماعتِ اسلامی بلوچستان کے امیر سابق ایم این اے جناب مولانا عبدالحق صاحب، جماعتِ اسلامی کوئٹہ کے امیر مولانا عبدالغفور بلوچ صاحب

اور تربت سے مولانا عبدالغفار سلفی صاحب بھی حسنِ اتفاق سے وہاں تشریف لے آئے۔ یوں یہ نشست مزید اہمیت اختیار کر گئی۔ دیگر امور کے علاوہ خصوصاً مروّجہ سیاست پر کھل کر گفتگو ہوئی اور امیرِ محترم نے اپنے موقف کا بھرپور اظہار فرمایا۔

تنظیم اسلامی کے علاقائی اجتماع کا آغاز ۱۵ر اگست کو نماز فجر سے ہی ہوگیا تھا۔ امیرِ محترم کو بھی اس میں نماز ظہر تک شرکت کرنا تھی، لیکن مسلسل پروگراموں، خصوصاً گزشتہ رات گئے تک علماء کے گروپ سے گفتگو، صبح بعد نماز فجر درسِ قرآن اور جامعہ رحیمیہ میں علماء کرام سے گفتگو کی وجہ سے آپ کی طبیعت کچھ مضمحل ہوگئی۔ چنانچہ آپ نے کچھ دیر ہوٹل میں آرام فرمایا اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے اجتماع میں تشریف لائے، جہاں آپ نے رفقاء سے گفتگو فرمائی اور کوئٹہ تنظیم کی کارکردگی اور رفتارِ کار کا جائزہ لیا۔ آپ نے مقامی تنظیم کی کارکردگی پر اظہارِ اطمینان فرمایا، جبکہ اس حوالے سے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا کہ کوئٹہ کی تنظیم میں وسعت نہیں ہو رہی ہے۔ آپ نے اس ضمن میں توجہ دینے کی ضرورت کا احساس دلایا اور توسیعِ دعوت کا کام آگے بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔ دوپہر کا کھانا آپ نے رفقاء کے ساتھ کھایا۔ بعد ازاں آپ کراچی روانہ ہونے کے لئے بغرض تیاری ہوٹل تشریف لے گئے، جہاں سے پونے چار بجے ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔ راقم الحروف اور رفیقِ محترم اکرام الحق صاحب نے ایئرپورٹ پر آپ کو رخصت کیا۔

علاقائی اجتماع ۱۶ر اگست کو دوپہر بارہ بجے تک جاری رہا، جس میں محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے منتخب نصاب نمبر ۲ کے مختلف اسباق کے درس دیئے، نظام العمل کا مطالعہ کرایا اور اس کے مختلف نکات کی وضاحت کی۔ نظام العمل کے ضمن میں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ اس کی دفعات تمام رفقاء کو زبانی یاد ہونی چاہئیں۔ رفقاء نے اپنا تفصیلی تعارف کرایا، جس میں ہر رفیق نے اپنی موجودہ دینی کیفیت، گھر کے اندر اصلاحی عمل کی کیفیت اور تنظیم میں شمولیت کے بعد خود اپنے اندر جو انقلاب آیا اس سے بھی دوسرے رفقاء کو آگاہ کیا۔ علاوہ ازیں ہمارے مہمان رفیق جناب محمد سلطان صاحب نے ۱۶ر اگست کو بعد نماز فجر ایک گھنٹے کا درس اپنے مخصوص انداز میں دیا۔ یوں یہ اجتماع اپنے مقررہ وقت پر اختتام پذیر ہوا۔

علاقائی اجتماع میں کوئٹہ کے ۱۳ رفقاء نے ہمہ وقتی اور ایک رفیق نے جز وقتی شرکت کی۔ علاوہ ازیں لاہور سے جناب مختار احمد خان، پنوں عاقل (سکھر) سے جناب محمد سلطان صاحب اور بستی سے جناب غلام نبی قریشی صاحب نے مہمان رفقاء کی حیثیت سے اجتماع میں ہمہ وقتی شرکت فرمائی۔ محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی طبیعت ۱۵ر اگست رات کو کافی ناساز ہوگئی تھی،

لیکن اس کے باوجود انہوں نے انتہائی ہمت اور استقامت سے اجتماع کے پروگراموں کو آگے بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس ہمت اور کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اس کا بہترین اجر ان کے لئے محفوظ فرمائے۔

ماہ جولائی ـــــ کے دوران
تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب کی دعوتی سرگرمیاں
ایک اجمالی جائزہ

ماہِ جولائی کے دوران حلقہ پنجاب کی سطح پر ہونے والی دعوتی سرگرمیوں کا اجمالی جائزہ حسبِ ذیل ہے۔

حلقہ شمالی پنجاب

☆ ۔ ۱۷ - ۱۸ر جولائی کو مظفر آباد میں دو روزہ دعوتی پروگرام ہوا، جس کے نتیجے میں وہاں اسرہ قائم ہوگیا۔ ملتزم رفیق جناب بشیر عبداللہ صاحب کو نقیب مقرر کیا گیا۔

☆ ۔ ۲۰ - ۲۱ر جولائی کو جاتلاں، میرپور میں دعوتی پروگرام ہوا اور وہاں کے رفقاء کو منظم کر کے اسرہ کی صورت دی گئی۔ ملتزم رفیق جناب سید محمد آزاد صاحب کو نقیب مقرر کیا گیا۔

☆ ۔ ۲۴ - ۲۵ر جولائی کو جلالپور جٹاں، ضلع گجرات میں دو روزہ پروگرام ہوا۔ رفقاء کی تنظیم نو کی گئی اور ملتزم رفیق خالد سعید صاحب کو نقیب مقرر کر کے اسرہ تشکیل دے دیا گیا۔ جلالپور کی تین جامع مساجد میں راقم سمیت تین رفقاءِ تنظیم نے اجتماعاتِ جمعہ سے خطاب کیا۔ ایک کارنر میٹنگ کا اہتمام بھی کیا گیا جس کے اعلان کے لئے تانگے پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر پورے شہر میں گشت کیا گیا۔ کارنر میٹنگ مین بازار میں رکھی گئی، جس سے راقم نے خطاب کیا۔

حلقہ شرقی پنجاب

☆ ۔ سیالکوٹ میں معمول کی تنظیمی سرگرمیوں کے علاوہ تنظیم کے ایک رفیق نے کینٹ کے علاقے میں ہفتہ وار درسِ قرآن کا آغاز کیا ہے، جس میں شرکاء کی تعداد ۸۰ سے ۱۰۰ تک ہوتی ہے۔

☆ ۔ سیالکوٹ میں آڈیو ویڈیو کیسٹس اور کتب پر مشتمل ایک لائبریری کا آغاز کیا گیا ہے۔

☆ ۔ سیالکوٹ کی جامع مسجد مصطفےٰ میں رفیقِ تنظیم محمد اشرف صاحب نے مسلسل خطبۂ جمعہ کا آغاز کیا ہے۔

☆ ۔ سیالکوٹ کے ساتھیوں نے تنظیم کے تعارف کے ضمن میں بڑے بڑے بورڈ (Hoardings) تیار کروا کر نمایاں جگہوں پر لگائے ہیں۔

☆ ۔ ڈسکہ کلاں میں ایک مزید درسِ قرآن ایک رفیقِ تنظیم کے گھر پر شروع کیا گیا ہے۔

☆ ۔ ڈسکہ میں جامع مسجد عثمانیہ میں رفیقِ تنظیم مرزا ندیم بیگ نے دو جمعوں کے خطاب میں تنظیم کی دعوت پیش کی۔

☆ ۔ گوجرانوالہ میں پندرہ روزہ درسِ قرآن کا باقاعدہ آغاز ہوگیا ہے۔ درسِ قرآن رفیقِ محترم جناب محمد امین صاحب کے مکان پر ہوتا ہے۔

حلقہ غربی پنجاب

☆ ۔ نائب ناظم حلقہ غربی پنجاب جناب احسان الٰہی ملک صاحب کی معیت میں ساتھیوں کے ایک گروپ نے ۱۴ر جولائی کو کمالیہ کا دورہ کیا۔ رفقاء و احباب سے ملاقاتوں کے علاوہ قاری زاہد صاحب کی مسجد اہلحدیث میں بعد نماز ظہر خطاب ہوا اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

☆ ۔ سرگودھا میں تبلیغی جماعت کے اجتماع کے موقع پر رفقاء کے ایک گروپ نے ۲۵ر جولائی کو کیمپ لگایا۔ مکتبہ بھی لگایا گیا جہاں سے کافی مقدار میں کتب فروخت ہوئیں۔ تبلیغی جماعت کے کچھ ذمہ دار حضرات سے مفصل تبادلۂ خیال بھی ہوا۔

☆ ۔ تنظیم اسلامی فیصل آباد کی امارت کی ذمہ داری ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب سے پروفیسر خان محمد صاحب کو منتقل کر دی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب فیصل آباد میں انجمنِ خدام القرآن فیصل آباد کو منظم کر رہے ہیں اور انہیں اس انجمن کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔

حلقہ جنوبی پنجاب

☆ ۔ ۱۸ - ۱۹ر جولائی کو شجاع آباد میں دو روزہ دعوتی پروگرام ہوا۔ ایک مقامی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ ہوا اور ایک گھر پر خصوصی نشست میں دعوتی تقریر کی گئی۔

☆ ۔ ۲۰ تا ۲۱ر جولائی نائب ناظم حلقہ جنوبی پنجاب جناب محمد اشرف وصی صاحب نے

بورے والا، وہاڑی، ملتان، شجاع آباد اور بہاولپور کا دورہ کیا، جس کے دوران رفقاء سے ملاقاتیں اور توسیعِ دعوت کے ضمن میں مختلف تجاویز پر تبادلۂ خیال ہوا۔

تنظیمِ اسلامی لاہور شہر

معمول کے دعوتی و تنظیمی اجتماعات کے علاوہ:

☆۔ ۱۰ر جولائی کو مزنگ اڈہ لاہور، جہاں تنظیم کا مقامی دفتر بھی ہے، سے متصل مین روڈ پر ایک جلسۂ عام منعقد کیا گیا، جس میں امیرِ محترم نے ملکی و ملّی مسائل اور قومی و عالمی حالات کے پس منظر میں تنظیمِ اسلامی کی دعوت اور طریقِ کار کی وضاحت کی۔ جلسے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ حاضری کے اعتبار سے بھی یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ مقامی تنظیم کے رفقاء نے جلسے کی تشہیر کے لئے جلسے سے قبل دو روز تک ٹی بورڈ مہم چلائی۔ گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے اعلانات کئے گئے اور آس پاس کے علاقوں میں پوسٹر چسپاں کئے گئے۔

☆۔ مقامی تنظیم کے دفتر ۴۔ اے مزنگ روڈ پر ہفتہ وار درسِ قرآن کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔

☆۔ 'ندا' کی اشاعت میں اضافے کے لئے خصوصی مہم چلائی گئی۔ چنانچہ اب لاہور شہر میں ندا کی کھپت ۳۰۰ سے بڑھ کر ۴۰۰ ہو گئی ہے۔

تنظیمِ اسلامی لاہور شرقی

معمول کے دعوتی و تنظیمی اجتماعات کے علاوہ:

☆۔ ۵-۶ر جولائی کو والٹن میں دو روزہ دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔ ٹی بورڈز کے ذریعے سڑکوں پر گشت کیا گیا اور اسی دوران مختلف مقامات پر متعدد رفقاء نے خطاب کیا۔

☆۔ تنظیمِ اسلامی لاہور شرقی کے امیر میاں محمد نعیم صاحب نے دو مقامات پر ہفتہ وار درسِ قرآن مجید کا آغاز کیا ہے ——— (۱) گرین ٹاؤن میں ڈاکٹر محمد یونس طور صاحب کی رہائش گاہ پر۔ اور (۲) مدینہ کالونی والٹن میں رفیقِ تنظیم رفیق رضوان صاحب کے مکان پر۔

پنجاب کی سطح پر دو روزہ مشاورتی تربیت گاہ

۹۔ ۱۰ر محرم الحرام (۲۲، ۲۳ر جولائی) کو قرآن اکیڈمی لاہور میں پنجاب کے ملتزم رفقاء کی

دو روزہ مشاورتی تربیت گاہ منعقد ہوئی، جس میں اہم معاملات پر رفقاء کو اظہارِ خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔ امیرِ محترم نے مشورے کی اہمیت سے متعلق سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کا درس دیا۔ راقم نے نظام العمل کی ان دفعات کا مطالعہ کروایا جو مشورے اور تنقید کے آداب وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے انجمن اور تنظیم کے باہمی تعلق پر مفصّل روشنی ڈالی۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے تربیت و تزکیہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور آخر میں امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رفقاء کے اظہارِ خیال کے حوالے سے مفصّل خطاب کیا۔ یہ پروگرام نتیجے کے اعتبار سے الحمدللہ بہت کامیاب رہا۔

(مرتب : عبدالرزاق، ناظمِ حلقہ پنجاب)

مرکز تنظیم اسلامی میں منعقدہ

سات روزہ ملتزم تربیت گاہ

قارئینِ میثاق کے سامنے تنظیمِ اسلامی پاکستان کا مشن اور اس کا طریقِ کار بالکل واضح ہے۔ جب سے تنظیمِ اسلامی نے اپنا نظام العمل مرتب کیا ہے اس وقت سے الحمدللہ اس پر عملدر آمد کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہرماہ مرکزی دفتر تنظیم واقع گڑھی شاہو لاہور میں ہفت روزہ تربیت گاہیں منعقد ہو رہی ہیں۔ ایک ماہ مبتدی تربیت گاہ اور دوسرے ماہ ملتزم تربیت گاہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس مرتبہ ماہِ اگست کی ۹ر تاریخ سے تیسری ملتزم تربیت گاہ کا آغاز ہوا، جو ۱۵ر اگست کی ظہر تک جاری رہی۔ ۹ر اگست کو بعد از نماز عصر چوہدری غلام محمد صاحب (معتمد تنظیمِ اسلامی پاکستان) نے رفقاء کو خوش آمدید کہا اور رفقاء کا مختصر تعارف حاصل کیا۔ جو رفقاء اس تربیت گاہ میں شامل رہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حاجی محمد صادق راٹھور (جلال پور جٹاں)، محمد سلیم (ابو ظبی، العین)، ڈاکٹر منظور حسین (ملتان)، محمد نواز (وہاڑی)، محمد یعقوب عمر (لاہور)، عبدالحق (وہاڑی)، رضا جلیل (لاہور)، جاوید رفیق (اسلام آباد)، افتخار احمد (فیروز والا)، مختار احمد (فیصل آباد)، عابد اکرام اللہ (راولپنڈی)، انوار الحق (راولپنڈی)، رؤف اکبر (راولپنڈی)، عبدالرزاق (ملتان)، محمد شفیع (ملتان)، محمد عارف حسین (اسلام آباد)، فیاض حکیم (لاہور)،

آفتاب عالم (لاہور)، سردار اعوان (لاہور)، شبیر احمد (آزاد کشمیر)، طارق جاوید (لاہور)، عظمت ممتاز ثاقب (اسلام آباد)، محمد موسیٰ جار اللہ (ملتان)، محمد سلیمان (ڈسکہ)، مرزا ندیم بیگ (ڈسکہ)، احمد نواز (کراچی)، منظور احمد (قرآن کالج لاہور)، محمد عمران (کراچی)، سید یونس واجد (قرآن کالج لاہور)۔ اس کے علاوہ نوید احمد (لاہور) اور احمد حسین (لاہور) نے جزوی شرکت کی۔

تعارفی پروگرام نماز مغرب تک جاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد ویڈیو پر امیر محترم کا سورۃ العصر کا درس دکھایا گیا۔ نماز عشاء اور رات کے کھانے کے بعد رفقاء نے آرام کیا۔

تربیت گاہ کے پروگرام کو روزانہ تین نشستوں میں تقسیم کیا گیا تھا --- پہلی نشست صبح تین بجے سے چھ بجے تک، دوسری نشست صبح ساڑھے آٹھ بجے سے اذانِ ظہر تک اور تیسری نشست نماز عصر سے عشاء تک۔ روزانہ کا معمول قریباً یہی رہا۔

☆ ۱۰ر اگست بروز ہفتہ

صبح سہ بجے رفقاء کو بیدار کیا گیا۔ تہجد وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اذانِ فجر ہوئی۔ فجر کی سنتوں کے بعد رفقاء نے جماعتِ فجر تک قرآن مجید کی تلاوت کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب (ناظمِ تربیت) نے نمازوں کے فرائض، سنتِ مؤکدہ و غیر مؤکدہ اور نوافل وغیرہ کی تقسیم کے بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمائی۔ آٹھ بجے ناشتے کا انتظام تھا۔ دوسری نشست میں پہلے رحمت اللہ بٹر صاحب نے فرائضِ دینی کے جامع تصور پر جامع انداز میں اظہارِ خیال فرمایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالخالق صاحب (ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان) نے "عالمی غلبۂ اسلام اور خطۂ پاک و ہند" پر تفصیلی لیکچر دیا۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد چوہدری غلام محمد صاحب نے التزامِ جماعت اور نظمِ جماعت کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ ان خطابات کے دوران رفقاء کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ان کے نوٹس (Notes) لیں تاکہ دوسرے دن رفقاء ان موضوعات پر تجزیاتی تقاریر کر سکیں۔ اذانِ ظہر کے ساتھ ہی یہ نشست ختم ہوئی۔

کھانے کے بعد عصر تک آرام کا وقفہ تھا۔ عصر کے بعد تفصیلی تعارف کا پروگرام شروع ہوا۔ اس نشست میں رفقاء کو اپنے حالاتِ زندگی اور تنظیم میں شمولیت کی وجوہات بیان کرنا تھیں۔ یہ پروگرام صرف سوا چھ بجے تک ہو سکا کیونکہ آج قرآن اکیڈمی میں امیرِ محترم کا ہفتہ وار درسِ قرآن تھا، جس میں شرکت کے لئے رفقاء سوا چھ بجے اکیڈمی روانہ ہوئے۔ آج امیرِ

محترم نے سورۃ العصر کے مباحث پر اختتامی گفتگو کی اور سورۃ الھمزہ پر جامع اور تفصیلی درس دیا۔ واپسی تقریباً رات دس بجے ہوئی۔

☆ ۱۱ر اگست بروز اتوار

پہلی نشست معمول کے مطابق ہوئی۔ دوسری نشست میں آج کے لئے رفقاء کے ذمے لگائی گئی تجرباتی تقاریر کروائی گئیں۔ یہ پروگرام ایک بجے تک جاری رہا۔ نمازِ عصر میں آج امیرِ محترم بنفسِ نفیس مرکزی دفتر تشریف لائے۔ امیرِ محترم نے پہلے ان رفقاء سے تعارف حاصل کیا جن سے وہ متعارف نہ تھے۔ اس کے بعد رفقاء نے امیرِ محترم سے مختلف سوالات کئے۔ یہ نشست مغرب تک جاری رہی۔ اس کے بعد امیرِ محترم اکیڈمی روانہ ہوگئے اور رفقاء نے بذریعہ ویڈیو امیرِ محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن سے سورۃ الحدید کا مطالعہ کیا۔ نماز عشاء کے ساتھ ہی یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

☆ ۱۲ر اگست بروز پیر

آج بھی پہلی نشست حسبِ معمول رہی۔ نماز فجر کے بعد جناب ڈاکٹر منظور حسین صاحب نے درسِ قرآن دیا۔ دوسری نشست میں جناب عبدالرزاق صاحب (ناظمِ پنجاب) نے "پاکستان میں اسلامی انقلاب --- کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کے بعد میاں محمد نعیم صاحب (امیرِ تنظیم لاہور شرقی) نے "انقلابی مسلمان کی پہچان" کے عنوان پر مؤثر خطاب کیا۔

نماز عصر کے بعد سے نماز عشاء تک رفقاء کا تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا، جس میں ہمت اور عزیمت کے واقعات سامنے آئے۔

☆ ۱۳ر اگست بروز منگل

پہلی نشست حسبِ معمول ہی رہی۔ دوسری نشست میں تجرباتی تقاریر کا بقیہ حصہ مکمل کیا گیا۔ اس تجربہ سے رفقاء کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا کہ اگر تھوڑی سی تربیت اور مواقع ملیں تو ان میں سے کئی ایک اچھے مدرّس و مقرر بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد میاں محمد نعیم صاحب نے پچھلے موضوع کو مکمل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد رفقاء دعوتی پروگرام اور ٹی بورڈ مہم کے لئے علامہ اقبال ٹاؤن روانہ ہوئے۔ اس مہم کے امیر جناب فیاض حکیم صاحب تھے۔ مقامی طور پر جناب

شاہد احمد عبداللہ صاحب نے رہنمائی فرمائی۔ رفقاء ٹی بورڈ ہاتھوں میں لے کر ایک لائن میں چلتے رہے۔ ٹی بورڈز پر درج عبارتوں میں لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی تھی۔ ساتھ ہی گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تنظیم کی دعوت اور پروگراموں سے متعلق اعلانات کئے گئے اور توبہ اور تجدید عہد کی منادی کی گئی۔ لوگوں میں تنظیم کا منشور بھی تقسیم کیا گیا۔ اس دوران پانچ مقامات پر کارنر میٹنگ منعقد کی گئی۔ مقررین نے لوگوں کو "جشنِ آزادی" کے حوالے سے توجہ دلائی کہ آیا ہم جشنِ آزادی منانے کے مستحق ہیں یا ندامت کے آنسو بہانے کے؟ کیا ہم نے اللہ سے وعدہ وفا کیا ہے یا وعدہ خلافی؟ دو مقامات پر طارق جاوید صاحب نے اور باقی مقامات پر فیاض حکیم صاحب، مرزا ندیم بیگ اور مختار احمد صاحب نے خطاب کیا۔ رات قریباً ساڑھے نو بجے واپسی ہوئی اور نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

☆ ۱۴ر اگست بروز بدھ

پہلی نشست نماز فجر کے بعد ختم ہوگئی، تاکہ رفقاء گزشتہ روز کی تھکن اتار سکیں۔ دوسری نشست میں پہلے "آرگنائزیشن کے چیلنجز" کے موضوع پر سراج الحق سید صاحب (ناظم مرکزی انجمن) کے لیکچر کا ویڈیو کیسٹ دکھایا گیا۔ اس کے بعد سراج الحق سید صاحب نے بذات خود اپنے منفرد اور دلچسپ انداز میں اس لیکچر پر مشق کروائی اور سوالات کا جواب دیا۔

آج شہر لاہور میں حکومت اور اپوزیشن دونوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے جلسوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ حکومت نے والٹن میں "بابِ پاکستان" کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے نام پر پورے ملک سے لوگوں کو کھینچ کر لانے کی کوشش کی اور اپوزیشن نے باغِ بیرون موچی دروازہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ شہریوں اور بیرونِ لاہور سے آنے والے لوگوں کے جلوس ہر دو اطراف میں رواں دواں تھے۔ آج بھی ٹی بورڈ مہم کا پروگرام طے تھا۔ شہر میں ہونے والے ان جلسے جلوسوں کی وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ٹی بورڈ مہم صرف ریلوے اسٹیشن تک محدود رکھی جائے اور یہیں لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دی جائے۔ الحمدللہ یہ مہم انتہائی کامیاب رہی۔ لوگوں نے بھرپور توجہ سے ان دیوانوں کی بات سنی کہ جو ع "اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!" کے مصداق سلطانیٔ جمہور کے اس زمانے میں عوامی حاکمیت کی جگہ حاکمیتِ رب کے قیام اور جمہوریت کے بجائے خلافت کے احیاء کی بات کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر دو مقامات پر خطابات ہوئے اور اسٹیشن کے سامنے والی پارک کے اطراف میں ٹی بورڈز کے

ساتھ دو مرتبہ چکر لگائے۔ نماز مغرب واپس دفتر میں آکر ادا کی گئی۔ اس کے بعد نمازِ عشاء تک باقی رفقاء کا تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا۔

☆ ۱۵؍ اگست بروز جمعرات

آج تربیت گاہ کا آخری دن تھا، جس میں صرف دو نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست معمول کے مطابق تھی۔ دوسری نشست خلافِ معمول سوا آٹھ بجے شروع ہوئی جس میں جناب قمر سعید قریشی صاحب (نائب امیرِ تنظیم) نے تعلق باللہ سے متعلق رفقاء کی عملی رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد رفقاء کو اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ ۱۲؍ رفقاء نے اظہارِ خیال میں حصہ لیا اور تربیت گاہ سے متعلق خوبیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد جناب عبدالرزاق صاحب نے دعوت الی اللہ، اس کے آداب اور طریقے کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ چائے کے وقفے کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے یقینِ آخرت پر مدلل خطاب فرمایا، جس سے حاضرین کے قلوب خوفِ آخرت سے معمور ہو گئے۔ پھر ڈاکٹر منظور حسین صاحب نے رفقاء کو نصیحت فرمائی کہ اس ہفتے میں ہم نے جو اپنی بیٹری چارج کی ہے، اس بیٹری سے ہمیں معاشرے میں دین کی روشنی پھیلانی ہے اور کفر و جہالت کے اندھیروں کو دور کرنا ہے ۔

بجا، بجا کہ اندھیرا ہے شاہراہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک جلے، جلائے چلو!

اسی آخری نصیحت کے ساتھ یہ تربیت گاہ اختتام کو پہنچی اور رفقاء نے اس جذبے کے ساتھ رختِ سفر باندھا کہ ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

دورانِ تربیت گاہ ہر نماز کے بعد احادیث کا مختصر مطالعہ معمول میں رہا۔ اس دوران بڑی ہی قابلِ عمل اور دلوں کو جلا بخشنے والی احادیث سامنے آتی رہیں۔ رپورٹ کے آخر میں اگر ناظمِ تربیت گاہ جناب رحمت اللہ بٹر کے شفیقانہ اور مدبرانہ رویے اور قیام و طعام کے حسنِ انتظام کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ بڑی ناشکری ہوگی۔

وما توفیقنا اِلا باللّٰہ العلی العظیم

مرتب : سیّد یونس واجد

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

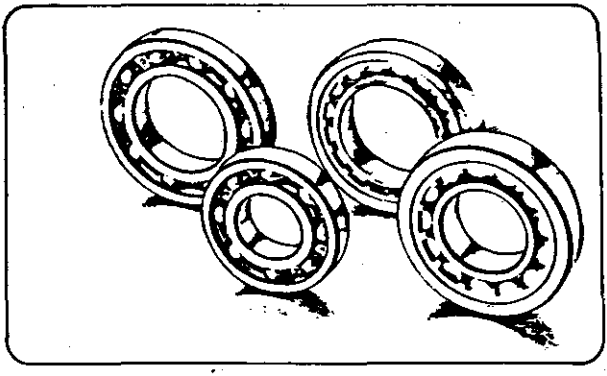

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

"گمشدہ" نہیں "فراموش کردہ" کڑی!

مستری محمد صدیق صاحب کے بارے میں ایک خط

محترم جناب ناظم صاحب! سلام علیک

ماہنامہ میثاق ماہ اگست ۹۱ء کے شمارہ میں مستری محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ وہ انتہائی مخلص، فعال اور تحریکی مزاج کی حامل منفرد شخصیت تھے۔ ان کو "گمشدہ کڑی" نہیں بلکہ "فراموش کردہ کڑی" کہنا چاہئے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مبارک پارک پونچھ روڈ لاہور میں جماعتِ اسلامی کی تاسیس ہوئی تو راقم ہی کپور تھلہ سے سیّد محمد جعفر شاہ پھلواروی، سیّد محمد حسن شاہ مرحوم اور عظمت علی شاہ مرحوم کے ساتھ اس پہلے اجتماع میں شریک ہوا تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ جماعتِ اسلامی کی تاسیس کے محرّکِ اول مستری صاحب مرحوم تھے۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں جودھ پور بلڈنگ کراچی میں تھا۔ ان دنوں حاجی محمد احمد .ٹلہ مرحوم کے پاس لارنس روڈ کراچی میں مستری صاحب رہتے تھے اور گاہے بجودھ پور بلڈنگ میں تشریف لاتے۔ سادہ لباس ہوتا اور درویش سیرت تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ خوشاب سے آگے سون سکیسر پہاڑی علاقہ ہے، وہاں پر ایک نئی دنیا بسانی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کئی اللہ کے بندوں نے یہ کوشش کی، لیکن وہ نئی دنیا نہ بسا سکے۔ اس پر فرمایا کہ نئی دنیا بسانے کی کوشش ہی نئی دنیا بسانا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جماعتِ اسلامی میں اس انتہائی مخلص شخصیت کو اہمیت نہ دی گئی۔ کسی بھی کتاب یا پمفلٹ میں مرحوم کا ذکرِ خیر نہیں ہوا۔ اس کمی کو محترم رحمٰن صدیقی صاحب نے پورا کر دیا ہے۔ اللہ کریم ان کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

غلام کبریا خان ترکانی، عرائض نویس
ڈسٹرکٹ کورٹ۔ کوئٹہ

'سود کی حرمت'

ریاض (سعودی عرب) سے ایک خاتون کا عبرت آموز خط

محترم ڈاکٹر صاحب' السلام علیکم!

امید ہے آپ معہ اہلِ خانہ و رفقاء بخیریت ہوں گے۔ کافی دنوں سے آپ کے دروس کے کیسٹس میں سُود سے متعلق احادیث سن کر ڈپریشن کا شکار ہو جایا کرتی تھی' پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا کرتی تھی کہ "تو رازق ہے' تو حلال رزق دے' جس کا مجھے یقین ہے۔ میں بہت مجبور ہوں' تو یقیناً مجبور نہیں ہے' کوئی راستہ نکال سکتا ہے۔ تیری حرام کی ہوئی چیزوں سے مجھے قطعی دلچسپی نہیں ہے' دنیا کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میرا معیار صرف تیری ذات ہے۔ تیرا خوف اور تیری محبت مجھے حرام چیزوں سے نفرت سکھاتی ہے' وغیرہ وغیرہ....."۔

میری دعائیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول کیں کہ گزشتہ ہفتہ فاروقی (میرے شوہر) کے ایم ڈی نے بلا کر کہا کہ وہ بنک میں ایک غیر سودی ڈیپارٹمنٹ کھولنا چاہتا ہے' قطعی اسلامی اور شریعت کے مطابق "Interest free banking department" بنانا چاہتا ہے' جس کا head فاروقی کو بنایا جائے تو انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ اہم بات یہ کہ ایسی اسکیم تیار کی جائے کہ Interest قطعی شامل نہ ہو اور قطعی اسلامی طریقہ ہو۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ سے اس شعبہ میں فاروقی کا باقاعدہ ٹرانسفر ہو جائے گا اور کام شروع کریں گے۔ سوڈان' پاکستان' مصر اور مختلف ممالک (سے ماہرین) بھی جائیں گے تاکہ Interest free banking کی کوئی بہترین اسکیم بنائی جائے۔

آپ کے درس سن سن کر میں اللہ سے دعا کرتی تھی اور پاکستان کے لئے بھی کہ کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ تمام مسلمانوں کو سُود کی لعنت سے نجات مل جائے۔ آپ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا بہترین راستہ نکال دے کہ نہ صرف پورا بنک بدل جائے بلکہ ایک مثال بن جائے پاکستان کے لئے اور مسلمان ممالک کے لئے۔ آپ نے درس میں ذکر کیا ہے کہ دوسرے تیسرے ہفتہ آپ سُود کی حدیث سناتے ہیں اور ایک صاحب نے نماز میں آنا بند کر دیا۔ اب اس حدیث کے ساتھ میرا قصہ میرے نام کے بغیر ضرور سنایا کریں کہ صرف انسان نیت ہی ٹھیک کر لے تو اللہ کیسی مدد کرتا ہے۔ میں نے سُود سے صرف اللہ کے لئے شدید نفرت

لی اور اللہ نے مجھے پاکیزہ راستے کی خوشخبری دی۔ حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرمندگی ہے کہ میرے اعمال ۳۳ فیصد بھی درست نہیں ہو سکے۔

فاروقی آپ کو بہت سلام کہہ رہے ہیں اور آپ سے اور سب رفقاء سے دعا کے لئے درخواست کر رہے ہیں کہ اس کام کی کامیابی کے لئے انہیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آپ کا وقت یقیناً قیمتی ہے، مگر آپ کے دروس نے ہی میرے شعور میں مسلمان امت اور دین کی بے حرمتی کے احساس کو بہت جگا دیا ہے۔ گزشتہ دنوں میں نے ایم کیو ایم کے الطاف حسین کو ایک تبلیغی خط لکھا تھا، جواب میں انہوں نے یقین دلایا تھا کہ دین کے لئے کچھ کریں گے۔ آج کل جماعتِ اسلامی اور ایم کیو ایم میں شدید جنگ اور انتقامی کارروائیاں جاری ہیں۔ ایم کیو ایم والے غنڈہ گردی میں مصروف ہیں، حالانکہ دونوں تنظیموں میں بہترین پڑھے لکھے لوگ ہیں، یا شاید سب سے زیادہ پڑھے لکھے نوجوان اور اچھے ذہن ہیں، مگر غلط راستے پر۔ جماعت اسلامی میں تو بہت دیندار اور بزرگ ہیں، کیا وہ مخالفت چھوڑ کر دین کی خاطر، ملک کی خاطر ایم کیو ایم کے لوگوں سے بات چیت نہیں کر سکتے؟ انہیں دین کی طرف بھی بلا سکتے ہیں بجائے اس کے کہ پی پی کے غنڈوں کے ساتھ مل کر مزید حالات خراب کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ آپ خود درس میں بتاتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو صلح کرانی چاہئے۔ آپ کی تنظیم کے لوگ یہ کیوں نہیں کرتے؟ جماعتِ اسلامی میں بھی بہت بڑی تعداد مہاجرین کی ہے، میرے اپنے خاندان کے تمام ووٹ جماعت اسلامی کو جاتے تھے، پھر پی پی کے ساتھ جماعتِ اسلامی کی محبت سمجھ میں نہیں آتی۔

پرسوں میں ایک ڈنر پر گئی ہوئی تھی، جہاں قابل ڈاکٹروں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیگمات قرآن و سنت کا بری طرح مذاق اڑا رہی تھیں۔ امریکہ کی حمایت اور پاکستان کو شدید بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ خاص طور پر وہ خود فرما رہی تھیں کہ وہ جدّی پشتی پاکستانی ہیں، میری طرح مہاجر نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چلتے وقت جب انہوں نے ہاتھ ملایا تو بتایا کہ زیادہ ان میں پی پی سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں تنہا Urdu speaking تھی اور میں نے انہیں بتایا کہ مہاجر ہونے کی سزا میں میں نے، فاروقی نے، اور میرے بھائیوں نے بہت Suffer کیا، نقصان اٹھایا، ذہنی اذیت برداشت کی، مگر پھر بھی پاکستان سے ہمیں بہت محبت ہے۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک شدید ذہنی دباؤ اور پریشان کن حالات کے بعد پاکستان میں فاروقی کا پورا کیریر ختم کر دیا گیا تھا، جبکہ وہ Vice President and Zonal Chief تھے۔ ایک بھائی کو کئی سال تک ملازمت اس لئے نہیں دی جاتی تھی کہ وہ نئے سندھی ہیں۔ یہ کہہ کر جواب دے دیا جاتا تھا، جبکہ اعلیٰ ڈگری اور قابلیت موجود تھی۔ پھر وہ امریکہ چلے گئے تھے۔ ایک بھائی ابھی تک پریشانی میں ہیں۔

پنجاب میں انہیں ٹرانسفر کیا جاتا ہے تو واپس سندھ بھیج دیئے جاتے ہیں' سندھ بھی نہیں رہنے دیتے تو بلوچستان میں غلیظ جگہ پر پوسٹنگ ہوتی ہے۔ یہاں بیوی بچے تک نہیں رہ سکتے اور جب وہ کبھی چھٹیوں میں گھر آ کر ملازمت کی باتیں بتاتے ہیں تو ہم لوگ انہیں جھوٹی تسلی بھی نہیں دے سکتے۔

یہی باتیں میں نے الطاف حسین کو لکھی تھیں کہ یہ سب غلاظت' خرابی اور کڑواہٹ پاکستانی ماحول میں دین سے دوری کی وجہ سے ہے' تم اس نفرت کو بڑھا رہے ہو۔ اگر اس خلیج کو ختم کرنا چاہتے ہو تو دین کے لئے کام کرو' تاکہ نفرت کی بنیاد ختم ہو جائے۔ جماعتِ اسلامی ایک پرانی اور دیندار جماعت ہے اور بہت سمجھدار لوگ ہیں' کیا وہ ان لوگوں کو سمجھا نہیں سکتے؟ اگر بڑے لوگ مل کر meetings میں آپس میں بات کر کے اختلافات ختم کر لیں تو کیا یہ دین اور ملک کے لئے اچھا نہیں ہو گا؟ اگر وہ دونوں ضد میں ہیں تو تیسرے لوگ ہی انؐ میں صلح کروا سکتے ہیں۔ آپ بہترین درس دیتے ہیں' مگر جب تک یہ درس مطلوبہ لوگ سنیں گے نہیں' ان سے فائدہ کس طرح حاصل ہو گا؟ بار بار میرے ذہن میں کیڑا کلبلاتا ہے کہ کراچی میں جو نوجوان آپس کی انتقامی کارروائیوں میں مرتے ہیں' کاش یہ اسلامی انقلاب کے لئے ہی شہید ہوتے۔ کم از کم ان کا خون دین و دنیا کے کام تو آتا۔ جہاں تک ایم کیو ایم کا تعلق ہے' دین سے بہت دور ہے' بے دین جماعت ہے۔ اور دینی جماعت' جماعت اسلامی سے لوگ بے زار ہو رہے ہیں' کم از کم میرے خاندان والے جو انہیں سو فیصد ووٹ دیا کرتے تھے' اب رشتہ تک نہیں دیتے۔ دو عدد ڈاکٹرز کے رشتے خاندان والوں نے مسترد کر دیئے کہ یہ "جماعتیہ" ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کے درس کے کیسٹ گھر گھر پہنچ جائیں کہ شاید لوگ کچھ سدھر جائیں۔

طویل خط کے لئے معذرت خواہ ہوں' دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ بھائی کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ فاروقی آپ سب کو سلام کہہ رہے ہیں۔

بیگم انوار فاروقی

الریاض ۔ سعودیہ

ضرورتِ رشتہ

اسلامی مزاج کے حامل (پہلی بیوی فوت ہو گئی ہے) عمر ۵۲ سال گزیٹڈ آفیسر گریڈ نمبر ۱۸ کے لیے دیندار، مناسب عمر کی شریکۂ حیات کا رشتہ فوری درکار ہے۔ نکاح و رخصتی سادگی کے ساتھ ہو گی۔

پہلے ہی خط میں تفصیل سے لکھیں۔

بکس نمبر ۱۰۲ معرفت دفتر تنظیمِ اسلامی، ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

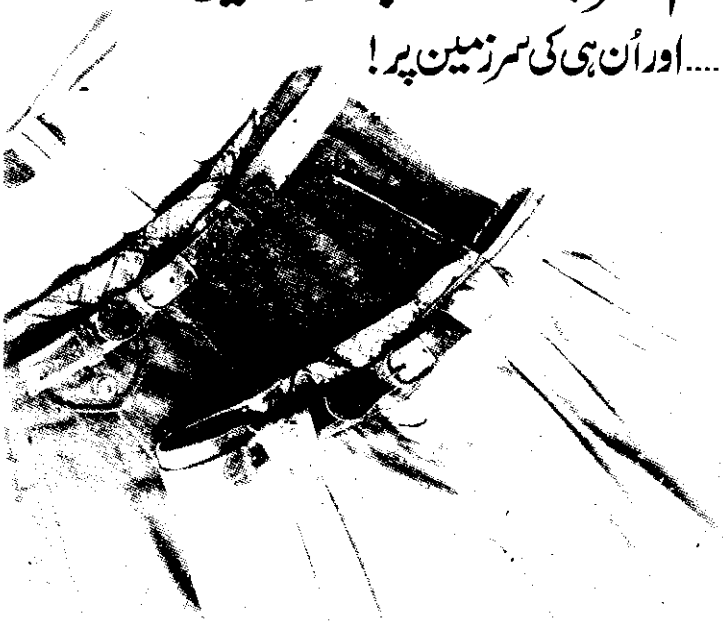

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی، ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

Jawad

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

A-3/C/IV ناظم آباد، کراچی-18-پاکستان-فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (21-92)

MONTHLY
Meesaq
36-K, Model Town, Lahore - Pakistan.

Regd
VOL.
SEP